سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

[redacted]

[redacted]



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے حسین دامن میں
ایک نیا دلپذیر شہر

منظر کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں، سیوریج بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں کنال 600 مربع گز

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

فیروزپور روڈ پر چونگی امرسدھو سے 2 کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر۔

ترقیاتی کام جاری ہیں، کنال 500 مربع گز

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

تحریکِ اسلامی سے وابستہ
افراد کا با اعتماد ادارہ

مری میں ایک نئے منصوبے کا
اعلان

ہل ویو اپارٹمنٹ

مال روڈ مری سے پیدل پانچ منٹ کی مسافت پر پچاس فٹ چوڑی جھیکا گلی روڈ (نومال کے مقام پر) مری امپرومنٹ ٹرسٹ کی سکیم میں اعلیٰ کوالٹی کی تعمیر تمام جدید سہولتوں کے ساتھ ہر اپارٹمنٹ سے وادی کے حسین مناظر، مکمل منصوبہ 20 فلیٹ پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ ہوگی۔

قیمت تعمیر شدہ رقبہ 650 مربع فٹ 6 لاکھ روپے، بکنگ پر 2 لاکھ روپے باقی رقم 18 ماہانہ قسطوں میں۔

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بیت ہاؤس 1 اے فیصل روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون 5869549-5865371 فیکس 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۲	اکتوبر ۱۹۹۶ء جمادی الثانی ۱۴۱۷	عدد ۱۰

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون: ۷۵۷۰۱۲۴

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے

زر سالانہ -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، مسقط -/۴۵۰ روپے

بھارت -/۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید -/۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

فرنگستان کے موجودہ سیاسی مفکرین میں ایک ممتاز نام آکسفرڈ کے جوزف ٹو ائنبی کا ہے ۔اجتماعی وتمدنی مباحث پر متعدد تصانیف کے مصنف ہیں' اور قوم ونسل کے علمی مسائل پر ایک ماہر خصوصی سمجھے جاتے ہیں۔ (Encyclopaedia of Religions and Ethics) ادیان و اخلاقیات کے دائرۃ المعارف کی ضخیم و مستند مجلدات میں عنوان "نسل" (Race) پر مقالہ انھی کے قلم سے ہے۔ مقالہ کے اندر ہر صاحب فکر کے لئے بہت سی بصیرتیں موجود ہیں [اس سے ایک اقتباس پیش ہے]

"مسیحی دنیا ایک زمانے میں اپنے اندر جو اندرونی اتحاد اور بیرونی قوت جاذبہ رکھتی تھی' اس کا صحیح اندازہ' موجودہ اسلامی دنیا سے موازنہ کرنے سے ہو سکتا ہے' اسلام (جو مسیحیت ہی کی ایک ادنی درجہ کی نقل ہے' اور نشوونما بھی جس کا بہت دیر میں ہوا) مغربی افریقہ ہو یا ہندستان مسیحی مبلغ سے بڑھ کر عملی کامیابی حاصل کر لیتا ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مبلغ' نو مسلموں کو حقیقتاً اپنے طبقے میں شامل کر لیتا ہے' معاشرت میں ان سے برابری کا برتاؤ کرتا ہے اور اپنی لڑکیوں کو انھیں بیاہ دیتا ہے۔ اس کے برعکس یورپی مبلغ' اسی تفریق رنگ کی بنا پر "دیسی" مسیحیوں سے ویسا ہی اجنبی و بیگانہ رہتا ہے' جیسا کہ غیر مسیحی کافروں سے۔اور ان کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک "دیسی" کلیسا کا انتظام کر سکتا ہے' یورپی آبادی سے بالکل خارج .... البتہ یہ ملحوظ رہے کہ جو مسلمان آبادیاں یورپی تمدن کی سطح کے قریب ترین آچکی ہیں' خود وہ بھی اپنی اسلامی (پان اسلامک) اخوت کو ختم کرتی جاتی' اور یورپین طرز کی وہ قومیت اختیار کرتی جاتی ہیں جن کی بنیاد وحدت لسانی پر ہے۔چنانچہ شام کے عربوں میں اس جذبہ قومیت کا حاصل یہ نکلا کہ ان کے اور ایرانیوں اور ترکی زبان بولنے والے مسلمانوں کے درمیان مغایرت قائم ہوگئی۔اور اس نقصان کی تلافی یوں ہوئی کہ عربی زبان بولنے والے مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان مغایرت کا حجاب اٹھ گیا۔

(بنیاد تمدن از مولانا عبد الماجد دریابادی جلد ۹ عدد ۔۲' شعبان المعظم ۵۵ ۱۳' اکتوبر ۱۹۳۶ء)

اشارات

قومی بحران کا اصل حل

خرم مراد

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ نبوت کا تیسرا سال تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، جس چیز کا آپؐ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کا اعلان کر دیجیے (الحجر ۱۵: ۹۴)۔ اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیے حضورؐ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جب قوم کو کسی تباہ کن حملے سے خبردار کرنا ہوتا' تو اعلان کرنے والا' جسے النذیر العریان کہا جاتا' کپڑے اتار کر واصباحا (لوگو' صبح صبح ٹوٹ پڑنے کی خبر لو) کا نعرہ لگاتا۔ ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑتے۔ حضورؐ نے طریقہ وہی اختیار کیا' مگر اسے کپڑے اتارنے کی بے شرمی سے پاک کر دیا۔ آپؐ کے واصباحا! یا معشر قریش' کی پکار بلند کرتے ہی ہر طرف سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ مکہ کی بستی چھوٹی سی تھی' اور اس وقت صفا کی پہاڑی کھلے میدان میں تھی' اور آج سے بلند تر ہی ہو گی۔ بہت سے خود آ گئے' جو نہ آسکا اس نے اپنے عوض میں کسی کو بھیج دیا۔

جب سب جمع ہو گئے' تو آپؐ نے فرمایا: تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟

سب نے ایک آواز سے کہا: ہم نے کوئی غلط بات تمھارے منہ سے نہیں سنی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ تم صادق اور امین ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے سے راہ زنوں کا ایک مسلح گروہ آرہا ہے جو مکہ پر حملہ آور ہو گا' تو کیا تم اس کا یقین کر لو گے؟ (جب کہ میں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو' میں پہاڑی کے ادھر بھی دور تک دیکھ رہا ہوں' اور ادھر بھی)۔

لوگوں نے کہا: بے شک' کیونکہ تم کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یقین کرو کہ موت تمھارے سر پر آرہی ہے' اور تمھیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ (کیونکہ میں عالم آخرت کو ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا تم دنیا کو)۔ اگر تم اللہ سے ملاقات پر ایمان نہ لاؤ گے تو میں تمھیں ایسے ہولناک عذاب سے خبردار کرتا ہوں جو

تمھارے سامنے آنے والا ہے۔ (بخاری، مسلم، احمد، رحمت اللعالمین ' ج ۱)

یہ آپؐ کا اپنی قوم سے پہلا خطاب تھا۔ دعوت و اصلاح کے کار عظیم کے سلسلے میں یہ خطاب کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے اس کے موضوعات کو بڑے غور سے دیکھیے: نبوت کے منفرد اور بلند مقام کا اعلان و اقرار بھی ہے' جہاں سے آپؐ اس عالم کو دیکھ رہے ہیں' اور اس کی خبر دے رہے ہیں' جسے کوئی نیچے کھڑا ہونے والا اپنے حواس اور عقل کے بل پر نہیں دیکھ سکتا۔ اس عالم کے بارے میں علم کے بغیر اس عالم کے سدھرنے کی کوئی سبیل نہیں' اور علم کے لیے نبیؐ پر اعتماد و یقین کے علاوہ کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں۔ آپؐ کی صداقت و امانت کی تصدیق و شہادت بھی ہے۔ آپؐ کی یہی صداقت ہے جو رسالت کے بخشے ہوئے علوم و اخبار اور احکام کا قطعی ثبوت ہے۔ لیکن اصل قابل غور چیز تو پیغام کا لب لباب ہے: موت سر پر کھڑی ہے' اور موت کے بعد اللہ سے ملاقات یقینی ہے' زندگی کا حساب کتاب بھی' اعمال کی جواب دہی بھی۔ اس لیے بس اس کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو' اس سے ملاقات کی تیاری میں لگ جاؤ۔ یہ ملاقات اور جزاوسزا اسی طرح حقیقی ہے جس طرح (اس زمانے میں) منہ اندھیرے' اچانک راہزنوں کی غارت گری۔

یہ پیغام کوئی پہلے خطاب عام ہی کا لب لباب نہ تھا۔ اس کے بعد پے در پے خطبات کا ایک تانتا بن گیا۔ مکہ میں یہ خطبے بیش تر آسمان سے نازل ہو رہے تھے۔ مشکل ہی سے کوئی خطبہ ایسا ہوتا جو اللہ سے ملاقات اور اس کے سامنے اعمال کی جواب دہی کی تیاری کے لیے تحریک و ترغیب اور تشویق و تاکید سے خالی ہو' جب کہ اکثر کا تو واحد مدعا یہی موضوع ہوتا۔ بیان کبھی مختصر ہوتا' کبھی طویل۔ آہنگ کبھی انتہائی تیز و تند' کبھی قرنوں کی واردات پلک جھپکتے گزر جاتی' کبھی ایک لمحے کی روداد قرنوں ختم ہونے میں نہ آتی۔ کبھی مستقبل ماضی بن جاتا' کبھی ماضی مستقبل' مژدہ جاں فزا یا اندوہ جان گسل کی صورت میں۔ لیکن اثر آفرینی کا معجز نما کمال تھا کہ کم نہ ہوتا۔ جو گھڑی صرف پہاڑی والا دیکھ رہا تھا' وہ نیچے سننے والوں کے لیے بھی اَلْوَاقِعَہ اور اَلْحَاقَّہ بن جاتی۔ جو بہت دور تھی' وہ اَلْقَارِعَہ بن کر ان کے دل اور زندگی کا دروازہ کھڑکھڑانے لگتی۔ جس کی پرچھائیں بھی نہ دیکھی تھیں' وہ اَلْغَاشِیَہ بن کر حواس پر چھا جاتی۔

یہی خطبے حضور شب و روز لوگوں کو سناتے۔ یہی خطبے ایمان لانے والے راتوں کو کھڑے ہو کر نمازوں میں پڑھتے۔ یہی سننے والوں کو کھینچتے اور جمع کرتے' یہی آنے والوں کے دلوں کی دنیا بدلتے' انھیں نیا انسان بناتے۔ ہر چیز کی بنیاد رب سے ملاقات کی تیاری کا ہی پیغام تھا۔

یہ سب آسان خطبے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ان کو پڑھ لیجیے۔ آپ کو خود بہ خوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا پیغام تھا جس نے دلوں کے روگ دور کر دیے' بگڑی زندگیوں کو سنوار دیا' انسان ہی

کا مقدر نہیں بدل دیا کہ فانی زندگی کے عوض ابدی جنت اس کا نصیب بن گئی 'قوم کا بھی مقدر بدل دیا کہ اس کے جان بہ لب جسم میں زندگی کی لہر دوڑ گئی 'اسے امامتِ عالم اور جنتِ ارضی نصیب ہوگئی۔

مدینہ میں حیاتِ اجتماعی کی ضروریات کو ترجیح ضرور حاصل ہوئی 'اس کے اصول اور ضوابط بیان ہوئے' جہاد اور نفاق کی تاکید ہوئی 'امت کے جسد کا ڈھانچا کھڑا ہوا۔لیکن جب بھی کوئی خطبہ یہ تعلیمات لے کر نازل ہوا'حیات اخروی اور لقائے رب 'حساب اور اعمال کی جواب دہی 'جنت اور جہنم کا بیان اسی طرح موجود تھا جس طرح ہڈیوں کے ساتھ گوشت اور خون ۔اور اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر خطبے دے رہے تھے ۔یہ خطبے مختصر ہوتے 'لیکن ہر خطبے میں کوہ صفا کے خطبہ اول کا نقش موجود ہوتا۔ ہر گفتگو میں اسی کے مدعا کی تذکیر ہوتی۔ ہر خطبے میں تقویٰ کی وصیت اور تاکید ہوتی۔اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کی یہ ساری تعلیمات اسی طرح بے اثر رہتیں جس طرح آج ہیں ۔نہ کردار کی قوت ہوتی 'نہ عزم کی پختگی 'نہ حوصلوں کی بلندی 'نہ جہاد کے لیے سرفروشی 'نہ شوق شہادت 'جن کے بغیر قرآن زندگی میں جلوہ گر نہیں ہوسکتا۔

اسی لیے پیغام رسالت کا لب لباب اور اصلاح کے نسخے کا مرکز و محور یہی ٹھیرا کہ رب سے ملاقات اور جواب دہی کے لیے تیاری کی فکر اور تڑپ سے دلوں کو بھر دیا جائے ۔ایمان باللہ کی حقیقت بھی یہی فکر اور تڑپ قرار پائی 'اور ایمان بالرسالت تو عمل کی شکل اختیار ہی نہیں کر سکتا جب تک یہ فکر دلوں میں نہ اترے ۔جو لوگ تخلیق کائنات میں غور و فکر کرتے اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے 'ان کے دل کی پکار یہی ہوتی کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ - رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (آل عمران ۳: ۱۹۱-۱۹۲) جو صدائے رسالت پر لبیک کہتے ان کے دل بھی اسی اضطراب میں مبتلا ہو جاتے کہ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ - رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران ۳: ۱۹۳-۱۹۴) شرک اور فکر آخرت کے درمیان بھی لازم و ملزوم کا تعلق ہے ۔جب سب خداؤں کو چھوڑ کر 'پتھر کے ہوں یا ہوئی و ہوس کے 'صرف خدائے واحد کو معبود و حاکم بنانے کی بات ہوتی ہے 'تو انھی کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (الزمر ۳۹: ۴۵) ۔جب بنی اسرائیل کو اصلاح کی راہ سجھائی گئی 'تو انھیں بھی بار بار یہی تاکید کی گئی کہ اس دن کے ہولناک نتائج سے بچو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔(آدمی اپنے بھائی سے 'اپنے ماں باپ سے 'اپنی بیوی اور بچوں سے دور بھاگے گا)'کسی کی سفارش نہ چلے گی 'کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا (کہ روئے زمین کی ساری دولت بے قیمت ہو جائے گی ') کہیں سے کوئی مدد نہیں کر سکے گا (البقرہ ۲: ۱۲۳) ۔نماز اور صبر کو احیائے امت کے لیے درکار بنیادی وسائل میں کلیدی مقام حاصل ہے ۔ان کے لیے استعداد کا راز خشوع میں رکھ دیا گیا '

اور بتایا کہ یہ خشوع بھی انھی کو حاصل ہوتا ہے جن کو یہ خیال اور دھڑکا لگا رہتا ہے کہ آخر کار انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے"

آیئے ' دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ملاقات کو ' اس کے عذاب کے خوف اور جنت کی طلب کو 'کس طرح اپنی قوم اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایک زندہ تجربہ بنا دیا تھا۔ آخرت کی زندگی کے بارے میں قرآن کے پے در پے خطبات کی بارش اور حضورؐ کے اپنے خطبے اس کارنامے کی بنیاد تھے ' اس یقین کی غذا تھے ۔ مگر عمل کی دنیا میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات دن کا اسوہ تھا ' جو ان غیبی حقائق کو زندگی میں سمو کر ایک نئے کلچر اور ایک نئے انسان کی تخلیق کر رہا تھا۔ یہ اسوہ ' اسوہ حسنہ تھا ' ہر اس شخص کے لیے " جو اللہ اور یوم آخر کا امید وار ہو رہے اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھے" (الاحزاب ۳۳:۲۱)۔ یہ اسوہ رسولؐ کی دین تھی ' یہی اس کی خصوصیات تھیں ۔

صفا کی پہاڑی کے خطاب سے آغاز ہوا۔ پھر ہر قدم پر آخرت کی فلاح کو اور جنت کی ابدی زندگی ہی کو مطلوب و محبوب بنایا گیا۔ یہ کام خانقاہی اسلوب پر نہ ہوا ' مجاہدانہ نہج پر ہوا۔ ایک طرف ' جب حضرت خباب بن الارتؓ نے جنھیں انگاروں پر لٹایا جاتا تھا یہاں تک کہ چربی کے پگھلنے سے آگ بجھ جاتی تھی --- آپؐ سے مشرکین کے ظلم و ستم کے بارے میں دعا کرنے کی درخواست کی ' تو" آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: اللہ ضرور بالضرور اپنے دین کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ تم دیکھ لو گے کہ ایک سوار تنہا صنعا سے حضر موت تک آئے گا ' اور سوائے اللہ عزوجل کے اسے کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ مگر تم لوگ جلدی کرتے ہو" (بخاری)۔ دوسری طرف ' جب آپؐ کا گزر حضرت یاسرؓ ' حضرت عمارؓ اور ان کے گھر والوں پر ہوا جنھیں بدترین تعذیب کا شکار بنایا جا رہا تھا ' تو فرمایا: اصبروا آل یاسر ، موعدکم الجنۃ ، اے آلِ یاسر صبر کرو ' تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے (احمد ، البیھقی)۔

ایک طرف ' مکہ کے گلی کوچوں میں حضورؐ کی اس بشارت کا چرچا عام تھا کہ " یہ ایک کلمہ قبول کر لو ' سارا عرب تمھارا مطیع ہو گا ' سارا عجم تمھارا ہو گا"۔ (طبری) دوسری طرف ' جب ۷۰ انصار وادی عقبہ میں حضورؐ سے بیعت کے لیے حاضر ہوئے حضرت اسعد بن زرارہؓ ' ابو ہیثم بن تیہانؓ ' عباس بن عبادہؓ کھڑے ہو گئے اور کہا: بھائیو تم لوگوں کو معلوم ہے تم کس چیز پر اس شخص سے بیعت کر رہے ہو؟ یہ تمام سرخ و سیاہ انسانوں کے خلاف اعلان جنگ ہے ۔ یہ تمام عرب کی دشمنی مول لینا ہے ۔ (وہ سب مل کر تم کو ایک تیر سے نشانہ بنا لیں گے)۔ تمھارے اموال ضائع ہوں گے ۔ تمھارے اشراف قتل ہوں گے ۔ پس اگر تمھیں ان سب باتوں میں صبر کی طاقت ہے ' اگر تمھیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤ اور اپنے مال اور اولاد سے ہاتھ دھو لو ' تو آپؐ کو اپنے

ساتھ اپنی سرزمین پر لے چلو۔ اگر تم اپنے نفس میں خوف و خطر محسوس کرتے ہو تو آپ ؐ کو ابھی چھوڑ دو۔

انصار نے کہا: ہم آپ ؐ کو لے جائیں گے' خواہ مال تباہ ہوں یا اشراف قتل کیے جائیں۔ لیکن 'یا رسول اللہ 'اگر ہم اس وعدے میں پورے اترے تو ہمارے لیے کیا ہے؟

اتنے عظیم اور خطرناک عہد کے صلے میں' زبان رسالت ؐ پر صرف ایک ہی چیز کا وعدہ تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا: جنت۔

حضرت بشیر بن خصاصیہؓ خدمت مبارک ؐ میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ حضور ؐ نے بیعت کی شرائط بیان کیں تو بولے: دو باتوں کی مجھ میں طاقت نہیں۔ ایک زکوٰۃ کی' خدا کی قسم میرے پاس دس اونٹیاں ہیں اور وہی میرا ذریعہ معاش ہیں۔ دوسرے 'جہاد کی' میں کمزور آدمی ہوں اور اگر دشمن سے مقابلے میں بھاگ کھڑا ہوا تو اللہ کے غضب کا مستحق ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر حضور ؐ نے دست مبارک سمیٹ لیا۔ پھر آپ ؐ نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے فرمایا: اے بشیر' نہ صدقہ دینے پر تیار ہو نہ جہاد پر' پھر کیسے جنت میں جاؤ گے؟ یہ سن کر حضرت بشیر نے تمام مطلوبہ باتوں پر بیعت کر لی۔

رسول اللہ ؐ کی تربیت کے نتیجے میں 'موت کے بعد زندگی' اور جنت دوزخ 'ایک آنکھوں دیکھی حقیقت کی مانند بن گئے تھے۔ ایک دفعہ حضور ؐ نے بڑی طویل سورج گرہن کی نماز پڑھائی' اور نماز کے بعد چند کلمات ارشاد فرمائے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ 'ہم نے دیکھا کہ جب آپ کھڑے تھے ' آپ نے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز پکڑنا چاہی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے؟ آپ ؐ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا ' اور میں نے ہاتھ بڑھایا تاکہ انگور کا ایک خوشہ لے لوں۔ اگر میں یہ لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے۔ پھر میں نے جہنم کی آگ کو دیکھا ' اور (میں پیچھے ہٹا کیونکہ) میں نے ایسا ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا (بخاری، مسلم)

یہ نہ سمجھیے کہ اللہ سے ملاقات کی تیاری کی فکر اور جنت کی طلب سب میں پوری طرح غالب ہو گئی تھی۔ نہیں' جو لوگ حضور ؐ کے ساتھ چل رہے تھے' ایمان و یقین کے لحاظ سے ان کے درجات میں بڑا فرق تھا۔ ان میں عام بھی تھے اور خاص بھی' اصحاب الیمین بھی تھے اور سابقون بھی۔ یہ بھی نہ سمجھیے کہ ایسے کچھ کاملین بھی تھے جن پر ہر وقت ایک ہی کیفیت طاری رہتی تھی۔ نہیں' حضرت حنظلہؓ اور حضرت ابوبکرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے' آپ ؐ جنت اور دوزخ کا تذکرہ فرماتے' ہمیں ایسا معلوم ہوتا گویا ہم نے سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ پھر ہم آپ ؐ کے پاس سے آتے' بیوی بچوں میں پہنچتے' ہنستے کھیلتے' کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے' وہ سب باتیں بھول جاتے۔ دونوں حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم تو منافق ہو

گئے 'اور اپنا یہ حال بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اپنے اہل و عیال میں پہنچ کر اسی حالت میں رہو جس حال میں میرے پاس رہتے ہو تو فرشتے تمھاری خواب گاہوں میں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں (یعنی تم فرشتے ہو جاؤ)۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے 'اور کبھی ایسا۔

اللہ سے ملاقات اور اعمال کی جواب دہی کے لیے تیاری اور جنت کی طلب و جستجو میں یکسوئی اور انہماک کے ساتھ لگ جانے کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ دنیا کو ترک کرنا ہو گا۔ جنت دنیا ہی کے ذریعے کمائی جاسکتی ہے۔ اپنے مقام پر دنیا کا ہر کام جو اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرے 'اور اللہ کے لیے کیا جائے 'عین عبادت ہے اور جنت میں لے جائے گا' خواہ وہ شکل و صورت میں خالص دنیا داری ہو۔ اس کے بر خلاف جو کام بھی ہو 'خواہ وہ شکل و صورت میں ٹھیٹھ دینی کام ہو' جنت سے دور اور جہنم سے قریب لے جائے گا۔ میدان جہاد میں شہادت جیسا عظیم کام بھی اگر نام و نمود کے لیے ہو تو سر کے بل جہنم میں گرائے گا۔ مال و دولت کمانے جیسا خالص دنیاوی کام' اطاعت الٰہی کے مطابق اور مقاصد الٰہی کے لیے ہو تو جنت کے اعلیٰ درجات پر پہنچا دے گا۔ آخرت پر یقین کے بغیر دنیا نہیں سدھر سکتی' دنیا کی اصلاح کے بغیر آخرت نہیں سنور سکتی۔

یہ سمجھ لیا جائے تو جب حساب کتاب کی فکر غالب ہو جاتی ہے اور جنت مقصود بن جاتی ہے تو دنیا اور کاروبار دنیا انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ دنیا کا ہر لمحہ قیمتی بن جاتا ہے کہ اس سے لازوال لمحات حاصل ہو سکتے ہیں۔ دولت کا ہر حبہ بیش قیمت خزانہ بن جاتا ہے کہ اس سے ابدی راحت کے خزانے ہاتھ آسکتے ہیں۔ دنیا کا ہر کام اس لیے دلچسپی اور انہماک کا مرکز بن جاتا ہے کہ وہ جنت کے لیے سرمایہ کاری کا موقع ہے۔

دنیا 'طالب آخرت کے لیے کتنی اہم ہو جاتی ہے؟ ایک حدیث سے اندازہ لگایئے۔ حضورؐ نے فرمایا: "اگر قیامت کی گھڑی آجائے 'اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں لگانے کے لیے کھجور کا پودا ہو' اور وہ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے لگا سکتا ہو' تو ضرور لگا دے۔ یہ اس کے لیے بڑے اجر کا باعث ہو گا"۔ گویا آخرت کے طالب کا کام یہ نہیں کہ وہ محض گوشوں میں جاکر عبادت اور آہ و زاری میں لگ جائے۔ نہیں' وہ آخری سانس تک اللہ کی زمین میں پودے لگانے اور جس میں اسے خلیفہ بنایا گیا ہے' اسے آباد کرنے میں لگا رہے' اسی لیے جو لوگ 'حضورؐ کی معرفت' اللہ سے جنت کے عوض اپنی جان و مال کا سودا چکانے کے بعد دنیا میں نکلے "انھوں نے دنیا کی بہترین' اعلیٰ ترین تہذیب کی تعمیر و تشکیل کی۔ یہ تہذیب اتنی پایدار ثابت ہوئی کہ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ خدا سے بے نیاز' تہذیب کا اعلیٰ نمونہ رومن امپائر ہے۔ مغربی تہذیب بھی اس کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتی ہے۔

اس کو اپنے عروج تک پہنچنے میں تقریباً ۶۰۰ سال لگے' مگر ایک صدی میں بکھر کر رہ گئی۔ خدا پرست اسلامی تہذیب --- جو اللہ اور اس سے ملاقات کے یقین اور رسولؐ کے اتباع پر قائم ہوئی --- ۸۰ سال کے عرصہ میں اپنے عروج پر پہنچ گئی ' اس کا زوال ایک ہزار سال کے بعد شروع ہوا' اور اپنی پندرھویں صدی میں وہ پھر مائل بہ عروج ہے۔

یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بعد موت کے لیے تیاری کی دعوت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان پس ماندہ رہیں گے' وہ دنیا کا کوئی لطف نہ اٹھائیں گے' ان کی دنیا اجڑ جائے گی' اور دنیا میں وہی قومیں غالب اور آگے رہیں گی جو دنیا کے لیے فارغ ہیں۔ نہیں' حضورؐ کے ان پیروکاروں ہی کو دیکھ لیجیے جنھوں نے آپؐ کی اس پکار پر اس اس طرح لبیک کہا تھا جیسا کہ اس کا حق تھا۔ دنیا کا کون سا کام اور کون سا شعبہ ہے جس میں انھوں نے برتری حاصل نہیں کی۔ وہ دنیا کے بہترین فاتح' حکمران اور منتظم ثابت ہوئے۔ زینت کے طیب سامان میں سے کون سا سامان ہے جو ان کو حدود اللہ کے اندر دستیاب ہوا اور انھوں نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ انھوں نے ایک طرف اچھے کھانے بھی کھائے' قیمتی لباس بھی پہنے' عمدہ مکان بھی بنائے' مال و دولت بھی خوب کمایا' اسے راہ خدا میں لٹایا تو اپنے اوپر بھی خوب خرچ کیا اور اپنے گھر والوں پر بھی۔ دوسری طرف شہر بھی آباد کیے' عمارات بھی تعمیر کیں' صنعت و زراعت کو بھی ترقی دی' علوم و فنون کو بھی فروغ دیا۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں: "انسان کا انفرادی رویہ اور انسانی گروہوں کا اجتماعی رویہ کبھی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک یہ شعور اور یقین انسانی سیرت کی بنیاد میں پیوست نہ ہو کہ ہم کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۲۶۶)۔

جہاں خدا کے سامنے حاضری اور جواب دہی کے عقیدے کا اقرار نہ بھی ہو' وہاں بھی کسی نہ کسی کے سامنے جواب دہی کا یقین موجود ہوتا ہے جو انسانی رویوں کو درست و مستقیم رکھتا ہے: قوم کے سامنے' عدالت کے سامنے' اپنے سے بالاتر افراد اور اداروں کے سامنے' کچھ نہ ہو تو اپنے ضمیر کے سامنے بھی۔ خدا کے سامنے جواب دہی کے نتیجے میں جنت پانے کا شوق اور لالچ نہ ہو' تو بھی معاشرے کی بہتری' انسان کی خدمت' دیانت داری' ادائے فرض' ضمیر کے اطمینان اور دل کے سکون جیسی چیزوں کا لالچ اور شوق ہوتا ہے۔ آج جو اقوام مستحکم ہیں' ترقی یافتہ اور مہذب شمار ہوتی ہیں' دنیا کی قیادت کر رہی ہیں' ان کی قوت کا راز اس نوعیت کے کسی شعور اور یقین میں مضمر ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں جواب دہی کا احساس بھی مفقود ہے۔ سارے اعمال بد دھڑلے سے کیے جاتے ہیں' جو زبان حال سے کہتے ہیں کہ "کر لو جو کچھ کرنا ہے' ہمارا کون کچھ بگاڑ سکتا ہے!" اس کی ایک خاص وجہ

ہے۔ اللہ سے ملاقات' اس کے سامنے جواب دہی' اور اس کی جنت کے ملنے کا یقین ہو' تو یہ دل کی توانائی' سیرت کی پختگی' جہاں گیری اور جہاں بانی کا ایک عدیم المثال نسخہ ہے' جس کا مقابلہ کوئی نسخہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آخرت اور جنت کا اقرار تو ہو' مگر دل آخرت کی فکر سے خالی ہو' عملاً خدا فراموشی ہو' مقصود زندگی' حصول دولت یا جاہ و عزت ہو' پاؤنڈ اور ڈالر کی بندگی ہو' عیش و عشرت میں مست ہو' تو پھر ایسے دل میں کسی نوعیت کا بھی احساس مسولیت قرار نہیں پکڑ سکتا دنیا سے بلند کسی بھی چیز کی طلب و حرص نہیں سما سکتی۔ خانہ خالی را دیواں می گیرند۔ جو دل یادِ خدا سے خالی ہو جاتا ہے' پھر اس میں ان گنت خواہشات کے ڈھیروں بت ڈیرہ ڈال لیتے ہیں۔ بالکل یہی حادثہ فاجعہ ہمیں پیش آ چکا ہے۔ اب ہر حادثہ اور ہر بحران' اسی عظیم حادثے کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ آج ہمارے ہاں جو بد ترین بحران درپیش ہے' اس سے مستقل طور پر نکلنے کا کوئی راستہ اس کے علاوہ ممکن نہیں کہ صفاکی پہاڑی کا چراغ ہاتھ میں لے کر راہ بنائی جائے۔ اسلوب دوسرا ہو سکتا ہے' محاورہ دوسرا ہو سکتا ہے' زبان دوسری ہو سکتی ہے' تدبیر دوسری ہو سکتی ہے' حکمت عملی دوسری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر زمانے کے آدمیوں کی سمجھ اور زبان' طریقہ اور رسم و رواج علیحدہ ہوتا ہے' اس لیے اصلاح و تربیت کے لیے ہر زمانے میں اس زمانے کے موافق جو طریقے ٹھیک ہوں' وہی اختیار کرنا چاہییں۔ مگر روشنی وہی ہو گی' روح وہی ہوگی' مدعا وہی ہو گا' منہج وہی ہو گا' جو صفاکی پہاڑی کے خطاب کا تھا۔ جتنی خدا اور رسولؐ سے محبت کی' اللہ سے ملاقات کی فکر اور تیاری کی' جنت کی طلب اور لالچ کی لہر بڑھے گی اور پھیلے گی' اتنی ہی ملک و ملت کی حالت بہتر ہو گی۔

بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا یا آخرت کی مغالطہ آمیز اور لا طائل بحث سے باہر نکلیں' اور یک سو ہو کر خود کو اور اپنی قوم کو آخرت میں فلاح اور جنت کی جستجو کی راہ پر لگانے میں لگ جائیں۔ اسی سے دنیاوی ترقی کے دروازے کھلیں گے۔ اسی سے آج کے سنگین بحران کا مستقل حل نکلے گا۔ کیونکہ اسی جستجو اور سعی سے ہوا و ہوس کی حکمرانی ختم ہو گی۔ دنیا کی زینت کی رغبت اور کشش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے: "لوگوں کے لیے مرغوبات نفس' عورتیں' اولاد' سونے چاندی کے ڈھیر' چیدہ گھوڑے' مویشی اور زرعی زمینیں (اور کارخانے)۔ بڑی خوش آیند بنا دی گئی ہیں"۔ ان کی رغبت و محبت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں' ان کو اس چیز کی رغبت سے مغلوب کیا جا سکتا ہے جو اللہ کے پاس ہے' بشرطیکہ یہ یقین پیدا ہو جائے کہ جو اس کے پاس ہے وہی بہتر ہے کہ وہ باقی رہنے والا ہے۔ اس کے بعد ہی سینوں میں ہوائے نفس کی پرستش مٹ سکے گی' اور ہمارے اجتماعی بحران کے اصل اسباب کا ازالہ ہو سکے گا۔

اس مقصد کے لیے ایک ہمہ گیر جدوجہد کی تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اسوہ رسولؐ کے

اتباع میں ہم خود اپنے دل کو جنت سے لگائیں ' ہر معاملہ میں اور ہر کام میں جنت کو اپنا مقصود بنانے کی کوشش میں لگ جائیں ' اور دوسروں کو بھی اسی طرف متوجہ کرنے کے لیے کوشاں ہوں ' تو ہمیں یقین ہے کہ آج بھی جنت کی دعوت میں وہ کشش اور قوت موجود ہے کہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لے ۔ یہ بظاہر وقت طلب کام ہے ' لیکن نیکی بھی متعدی ہوتی ہے اور تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے ' جس طرح بیماری کی وبا۔ جو اس کے قائل ہوں کہ اپنے دل کو اور دوسرے دلوں کو اس رخ پر ڈالے بغیر قومی زندگی صحیح رخ پر نہیں پڑ سکتی ' ان کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ کر سکتے ہوں وہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ (ہود ۱۱:۵۲)

"اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو ' پھر اس کی طرف پلٹو ' وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔ مجرم بن کر (بندگی سے) منہ نہ پھیرو۔

میری صحت کے بارے میں متعدد خطوط ملے ہیں ۔ فکر مندی کے جذبات اور دعاؤں کے لیے میں شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے خیر کی ہی توقع ہے اور رکھنا چاہیے ۔ یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے صرف اپنی خاطر دلوں میں محبت ڈالی ہے ۔ ایسی محبت کرنے والوں سے اس نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کرے ہم اس کے وعدے کے مستحق ٹھہریں ۔ دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔

صدقے کے طریقے

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر نفس کو ہر ہر دن جس میں طلوع ہوتا ہے، اپنی طرف سے صدقہ کرنا لازم ہے،

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ، میں کہاں سے صدقہ کروں؟ ہمارے پاس تو اموال نہیں ہیں!

آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقہ کے ابواب میں سے:

- ☆ تکبیر، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ کے کلمات ہیں،
- ☆ اور یہ بات کہ تو معروف کا حکم دے، منکر سے روکے،
- ☆ اور یہ کہ لوگوں کے راستے سے کانٹے، ہڈی اور پتھر دور کردے،
- ☆ نابینا کو راستہ بتلادے،
- ☆ بہرے گونگے کو اس طرح سے بات بتادے کہ وہ سمجھ جائے،
- ☆ حاجت مند کو اس جگہ کا پتہ بتادے جہاں سے اس کی حاجت پوری ہو،
- ☆ پریشان حال فریاد کرنے والے کی طرف اپنی مضبوط پنڈلیوں کے ساتھ دوڑ کر پہنچ جائے،
- ☆ کمزور کی مدد کے لیے اپنے مضبوط بازوؤں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو،

صدقے کے ان تمام طریقوں میں سے ہر طریقہ تیری طرف سے اپنے نفس کے لیے صدقہ ہے!

مسند احمد (۵-۱۶۸) (بحوالہ محمد ناصر الدین البانی الاحادیث الصحیحہ، ج ۲- حدیث نمبر ۵۷۵)

استیصال بدعات کا جوش

جن امور کی حرمت یا کراہت کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے ان پر تاویلات سے حرمت یا کراہت کا حکم لگانا' اور پھر اس میں تشدد برتنا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ موجب فتنہ بھی ہے' کیونکہ اس قسم کے تشدد سے دوسرے گروہ میں ضد پیدا ہوتی ہے' پھر وہ حق بات کو بھی نہیں مانتا۔ مثال کے طور پر قاضی شوکانی اہل فضل و علم سے توسل کو جائز رکھتے ہیں۔ [الدر الفضیہ فی اخلاص کلمۃ التوحید۔ تالیف: علامہ محمد بن علی الشوکانی' ترجمہ: مولوی محمد علی] یہ ایک معقول بات ہے' کیونکہ اس کی حرمت یا کراہت پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں اسی لیے ابن تیمیہ نے بھی اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے لیکن علامہ رشید رضا اور لائق مترجم نے اس کو بھی ناجائز ٹھیرانے کی کوشش کی ہے اور دلیل میں جو بات پیش کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا عمل صالح اس کی اپنی اولاد کے سوا دوسروں کے لیے وسیلہ نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہی ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو اپنی دعائے استسقاء میں کیوں وسیلہ بنایا' اور کیوں تمام صحابہ نے اس کو جائز رکھا؟ اس معاملہ میں زندہ اور مردہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے بھی کوئی معقول وجہ موجود نہیں' کیونکہ جس ذات پاک کے پاس توسل کیا جا رہا ہے اس کے پاس تو زندوں اور مردوں کے اعمال اور ان کی ارواح یکساں حاضر ہیں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ صحابہ نے کسی مردہ بزرگ سے توسل نہیں کیا لہٰذا یہ فعل ناجائز ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہر وہ فعل ناجائز قرار پائے گا جو زمانہ رسالت یا عہد صحابہ میں نہیں ہوا' اور اس طرح مباحات کا دائرہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ جن امور کے متعلق نفیاً و اثباتاً کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہے اور جن کا رواج عہد صحابہ میں بھی ثابت نہیں ہے ان کو زیادہ سے زیادہ امور مسکوت عنہا میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ مگر قطعیت کے ساتھ ان کے عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ اہل اصول میں سے جو لوگ اباحت کو اصل قرار دیتے ہیں وہ تو ایسے امور میں جواز کی طرف جائیں گے۔ آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ الخ سے بھی استدلال درست نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے معنی زیادہ صحیح سمجھتے تھے۔ آپ نے حج بدل کو جائز قرار دیا اور اس کی دلیل میں ارشاد فرمایا کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہو اور تو اس کو ادا کر دے تو یہ تیرے باپ کے لیے نافع ہو گا۔ اسی طرح آپ نے متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کو بھی جائز و نافع قرار دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت

فرمائی کہ ایک قربانی آپ کی طرف سے کیا کریں۔ روزے کے متعلق بھی آپؐ کا ارشاد ہے کہ من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ (جو شخص مرجائے اور اس کے روزے چھوٹ گئے ہیں' اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے)۔

اگر آیت مزکورہ کا مفہوم یہی ہوتا کہ ایک شخص کا عمل صالح اس کی اپنی ذات کے سوا دوسروں کے لیے نافع نہیں ہو سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے احکام ہرگز نہ دیتے۔ پس مردہ بزرگوں کے عمل صالح اور ان کی حرمت کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کے ناجائز ہونے پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں' اور جس چیز سے خدا اور رسولؐ نے منع نہ کیا ہو' اس کو ممنوع قرار دینا گویا شریعت میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ بھی بدعت کی ایک قسم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محرم الحلال کمستحل الحرام (حلال کو حرام قرار دینے والا ایسا ہی ہے جیسا حرام کو حلال قرار دینے والا)۔

ہمارا مقصد صرف اس امر پر تنبیہہ کرنا ہے کہ استیصال بدعت کے جوش میں حد سے گزر جانا مناسب نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جوش میں آپ خود ایک جوابی بدعت کے مرتکب ہو جائیں۔

تصاویرِ قرآنی

حوادث کی منظرکشی

سید قطب شہید

اب تک ہم نے معنوی مفہومات‘ نفسیاتی کیفیات اور انسانی نمونوں کی مثالیں پیش کی ہیں‘ اور بتایا ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب تعبیر کتنی خوب صورتی کے ساتھ انھیں تصویر کا تشخص اور حرکت عطا کرتا ہے۔اس طرح کہ ایک مجرد تعبیر کی ایک تصویر کھنچ جاتی ہے۔اب ہم ظہور پذیر واقعات‘ تمثیلات اور تاریخی قصص کی تصاویر کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ان سب میں تصویر کشی کا طریقہ ایک ہی ہے اور ان کی تصاویر کے درمیان قریبی مشابہت پائی جاتی ہے۔

پہلے‘ واقعات کی تصاویر دیکھیے:

۱۔ دیکھیے‘ قرآن (غزوۂ احزاب میں) ہزیمت کی منظرکشی کس انداز میں کرتا ہے۔میدان جنگ نگاہوں کے سامنے موجود ہے۔اس میں کی گئی حرکات بھی نگاہ کے سامنے ہیں‘ پوشیدہ و مضمر جذبات و تاثرات بھی عیاں ہیں۔اس تصویر میں محسوس و ظاہر صورتیں نفسیاتی صورتوں کے ساتھ مل جل گئی ہیں۔اس تصویر کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ نگاہ کے سامنے نئے سرے سے معرکہ قتال بپا ہے‘ اور اس کے چھوٹے یا بڑے کسی حصہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا‘ یہ نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا
وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۔
وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ، وَمَا هِيَ
بِعَوْرَةٍ ، اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۔ (الاحزاب ۳۳: ۹ تا ۱۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ یاد کرو اللہ کے احسان کو جو ابھی ابھی اس نے تم پر کیا ہے۔جب لشکر

تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں، جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے۔ جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح ہلا مارے گئے۔ یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کیے تھے فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو، تمھارے لیے اب ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو"۔ جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں"، حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ محاذ جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

غور فرمایئے، شکست خوردگی کی محسوس یا نفسیاتی کیفیت میں سے کون سی کیفیت ہے، یا میدان جنگ کی ظاہری یا پوشیدہ خصوصیات سے کون سی خصوصیت ہے جس کو یہ متحرک و باریک بین، ہمہ گیر فلم اجاگر نہیں کر دیتی۔ میدان جنگ کے معرکے میں پوری طرح شریک یہ تصویر نگاہ تصور کے سامنے گھوم رہی ہے۔ یہ دشمن ہیں، جو ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھ کر خوف کے مارے پتھرا رہی ہیں اور کلیجے ہیں جو منہ کو آ رہے ہیں۔ یہ مسلمان ہیں، جن کو ہلا ڈالا گیا ہے۔ اور یہ منافقین ہیں، جو فتنہ پردازی اور شکست خوردگی پیدا کرنے میں مشغول ہیں۔ کہتے ہیں کہ "اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھا"۔ وہ اہل مدینہ سے کہہ رہے ہیں: تم میدان جنگ میں ٹھہر نہیں سکو گے اس لیے جان بچانے کے لیے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ کچھ اور لوگ ہیں جو بزدل ہیں۔ کہہ رہے ہیں: ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں۔ یہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

غرض یہ کہ میدان جنگ کی کوئی حرکت، کوئی تاثر اور کوئی خصوصیت ایسی نہیں جس کو اس تصویر نے ریکارڈ نہیں کر لیا ہے۔ گویا میدان جنگ برپا ہو کر نگاہوں کے سامنے ابھر آیا ہے۔ یہ ایک حقیقی واقعہ تھا، جو عملاً پیش آیا۔ مگر اس کی قرآنی تصویر ہزیمت کی مکمل منظرکشی کرتی ہے، ہر پہلو شامل کر لیتی ہے، کسی جزوی واقعہ کے سوا، شاذ ہی اس میں نہ کمی کرتی ہے نہ بیشی۔ جہاں تک اس واقعہ کی نفسیاتی تصویر کا تعلق ہے، وہ دائمی ہے، ہر زمانے میں پائی جاتی ہے۔ دو گروہ جہاں بھی باہم متصادم ہوں، اور ایک فریق شکست سے دوچار ہو، وہیں یہ تصویر نگاہ کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔

۲- اس کے ساتھ ملتی جلتی ہزیمت کی دوسری تصویر ہے - یہ بھی اسی تصویر کی طرح ابدی اور دائمی ہے ' ایک منفرد واقعہ کی حیثیت نہیں رکھتی -

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ، مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ، ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ، وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ، وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ - اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ، وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ، وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ، يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ، قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ، يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ، يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ، (آل عمران ۳: ۱۵۲ تا ۱۵۴)

اللہ نے (تائید و نصرت) کا وعدہ جو تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا - ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے - مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا ' اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے -- اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے -- تب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمایش کرے - اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمھیں معاف ہی کر دیا کیوں کہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے - یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے ' کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمھیں نہ تھا ' اور رسولؐ تمھارے پیچھے تمھیں پکار رہا تھا - اس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیے ' تاکہ آیندہ کے لیے تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو - اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے - اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے - مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنی ذات ہی کی تھی ' اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے - "یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے ؟" ان سے کہو " (کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں" - دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اسے تم پر ظاہر نہیں کرتے - ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ "اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے" -

ان آیات کو پڑھ کر مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ گویا منظر میرے سامنے ہے ' جو لوگ ہیں وہ سب

بھی' جو کچھ پیش آ رہا ہے وہ سب بھی۔

تمثیلات کی تصاویر

اب ہم ان تمثیلات کی تصاویر کے نمونے پیش کرتے ہیں جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔

۱۔ آیئے یہ باغ والے ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ باغ دنیا میں ہے' آخرت میں نہیں۔ رات کا وقت ہے۔ یہ باغ والے کچھ سوچ بچار کر رہے ہیں۔ پہلے فقرا و مساکین اس باغ کا پھل کھایا کرتے تھے۔ مگر اب باغ کے یہ نئے مالک ان کو ان کا حصہ نہیں دینا چاہتے۔ بلکہ مساکین کو محروم کر کے تنہا ہی سب کچھ لینا چاہتے ہیں۔ آیئے' دیکھیں کہ وہ اس منصوبے کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۔ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۔ (القلم ۶۸: ۱۷' ۱۸)

ہم نے ان (اہل مکہ) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا' جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثنا نہیں کر رہے تھے۔

انھوں نے رات کو یہ منصوبہ بنایا کہ صبح سویرے باغ کے پھل توڑلیں گے اور فقرا و مساکین کے لیے کچھ باقی نہ چھوڑیں گے۔ ہم سردست ان کو ان کے منصوبے پر چھوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں کیا ہوا۔ وہ اب نظر نہیں آ رہے' اور کائنات کا اسٹیج ان سے خالی ہے۔ اچانک ناظرین کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پوشیدہ سی حرکت نمودار ہو رہی ہے' جیسے رات کی تاریکی میں کسی بدروح کی حرکت ہو۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۔ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۔ (القلم ۶۸: ۱۹۔۲۰)

رات کو وہ سوئے پڑے تھے کہ تمھارے رب کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر پھر گئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔

مگر ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ اب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ چلو چل کر پھل توڑ لیں۔ انھیں کچھ معلوم نہیں کہ رات کی تاریکی میں باغ پر کیا حشر گزر گیا ہے۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۔ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ۔ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۔ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۔ (القلم ۶۸: ۲۱۔۲۴)

صبح ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پکارا اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی کی طرف نکل چلو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ کوئی مسکین

تمہارے پاس باغ میں نہ آنے پائے۔

ناظرین کو چاہیے کہ ذرا چپ رہیں ' اور باغ والوں کو کچھ نہ بتائیں کہ ان کے باغ پر کیا گزر چکی۔ ابھی تمسخر کا وہ قہقہہ بلند نہیں ہونا چاہیے ' جس کا وقت اب آیا چاہتا ہے۔ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ باغ والے فریب خوردہ ہیں۔ وہ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں کہ کہیں باتیں سن کر کوئی محتاج نہ آ جائے! ناظرین اپنی ہنسی کو کب تک دبائے رکھیں گے۔ اب جی کھول کر ہنس لیں! باغ والوں کے ساتھ تو بہت بڑا مذاق ہو گیا ہے:

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ - (القلم ۶۸: ۲۵)

صبح سویرے جلدی جلدی اس طرح گئے جیسے کہ وہ (پھل توڑنے پر) قادر ہیں۔

--- بے شک وہ قادر ہیں ' مگر محروم رکھنے - پر اپنے کو محروم رکھنے پر ' محتاجوں کو نہیں۔

--- اب اچانک انھیں باغ کی بربادی کا پتہ چلتا ہے۔ ناظرین یہ دیکھ کر جتنا چاہیں ہنسیں --

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ - (القلم ۶۸: ۲۶)

مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔

کہنے لگے یہ تو ہمارا وہ باغ نہیں ہے جو پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ دراصل ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں۔ لوگو ' ہمیں راستہ بتاؤ۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ - (القلم ۶۸: ۲۷)

نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے۔

ہاں یہ بات یقینی ہے۔ اب وہ اپنے کیے پر پشیمان ہیں۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ - (القلم ۶۸: ۲۸)

ان میں سے جو سب سے بہتر آدمی تھا ' اس نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے"؟

ہاں ' واللہ تم نے اللہ کو کیوں یاد نہیں کیا ' اس سے کیوں نہیں ڈرے؟

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ - (القلم ۶۸: ۲۹)

وہ پکار اٹھے "پاک ہے ہمارا رب ' واقعی ہم گناہ گار تھے"۔

مگر وقت کھو کر اب افسوس کا کیا فائدہ! جس طرح دستور ہے کہ جب کسی کام کا برا نتیجہ برآمد ہوتا ہے تو اس کام کے شرکا باہم ایک دوسرے پر الزام دھرتے ہیں ' اسی طرح یہ بھی کر رہے ہیں۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ - (القلم ۶۸: ۳۰)

پھر ان میں ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا۔

پھر یکایک ایک دوسرے کو مجرم قرار دینے کے بجائے سب اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں ' شاید

کہ یہ اعتراف ان کے لیے مفید ثابت ہو' ان کی خطا معاف کر دی جائے اور تباہ شدہ باغ کے بجائے انھیں اور باغ مل جائے۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا طٰغِیْنَ ۔ عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۔ (القلم ۶۸: ۳۱-۳۲)

آخر کو انھوں نے کہا "افسوس ہمارے حال پر' بے شک ہم سرکش ہو گئے تھے۔ بعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں بدلے میں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں"۔

۲۔ آیئے 'اب ایک اور باغ والے کی طرف چلیں۔ اس کے ایک نہیں دو باغ ہیں 'اور باغ بھی اس باغ سے کہیں بڑے جس کو آپ نے ابھی دیکھا۔ اس کا جو قصہ ہے وہ اس کے ایک دوسرے ساتھی کے ساتھ وابستہ ہے' جس کے پاس باغات تو نہ تھے 'مگر اس کا سینہ نور ایمان سے ضرور منور تھا۔ یہ دونوں شخص اپنے اپنے گروہ کے کردار کا نمونہ ہیں: دو باغوں والا 'ایک ایسے دولت مند شخص کے کردار کا نمونہ ہے' جو دولت و ثروت کے گھمنڈ میں آکر اس بڑی طاقت کو بھول گیا ہے' جس کے قبضہ میں زندگی اور سارے انسانوں کی تقدیر ہے۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہے کہ یہ خوشحالی اور فارغ البالی اس کے علم اور محنت کا نتیجہ ہے یہ ابدی و دائمی ہے' وہ قوت و شوکت سے کبھی محروم نہیں ہو گا۔ اس کے مقابلے میں اس کا ساتھی ایک ایسے مرد مومن کے کردار کا نمونہ ہے' جو صرف ایمان کو اپنے لیے سرمایہ عزت و افتخار سمجھتا ہے' ہمیشہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے' اور جانتا ہے کہ ہر نعمت اپنے محسن کی یاد دلاتی ہے' اس لیے اس کی حمد و ثنا کرتے رہنا چاہیے اور ناشکری اور نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ، وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۔ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۔ (الکھف ۱۸: ۳۲-۳۴)

اے نبیؐ' ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو۔ دو شخص تھے۔ ان میں ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کے ارد گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ دونوں باغ خوب پھولے پھلے اور بار آور ہونے میں انھوں نے ذرا سی کسر بھی نہ چھوڑی۔ ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی اور اسے خوب نفع حاصل ہوا۔

ان آیات سے پہلے کردار کے دونوں باغوں کی تصویر سامنے آجاتی ہے کہ وہ کس قدر سرسبز و شاداب ہیں۔ یہ پہلا منظر ہے۔ اب دوسرا منظر دیکھیں:

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۔ (الکہف ۱۸: ۳۴)

یہ کچھ پاکر ایک دن وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا "میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقت اور نفری رکھتا ہوں"۔

کچھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ بات اپنے ساتھی سے اس وقت کہی جب دونوں ان باغات کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ بعید نہیں کہ باغات کے دروازے تک پہنچ گئے ہوں۔ کیوں کہ اس کے بعد کا منظر یہ ہے:

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۔ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۔ (الکہف ۱۸: ۳۵-۳۶)

پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا "میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی، اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی شان دار جگہ پاؤں گا"۔

یہ شخص کبر و غرور اور سرکشی کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے! دیکھیے کہ اس کے غریب ساتھی پر اس کی اس گفتگو کا کیا اثر پڑتا ہے، اس کے پاس نہ باغ ہے نہ مال و دولت، اعوان و انصار بھی موجود نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ وہ ایمان رکھتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ذلیل نہیں سمجھتا، وہ اپنے رب کی قدرت اور عزت کو بھی نہیں بھولتا، وہ اپنے باغی ساتھی کو راہ راست پر لانے کے فریضہ کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے مغرور ساتھی کو ملامت کر کے صحیح راہ پر لائے، اسے یاد دلائے کہ اس کی تخلیق مٹی جیسی حقیر چیز سے ہوئی ہے:

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۔ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۔ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۔ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۔ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۔ (الکہف ۱۸: ۳۷-۴۱)

اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا "کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے پورا آدمی بنا کھڑا کیا؟ رہا میں، تو میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، اور جب تو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرمائے۔ اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے، جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے، یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے تو پھر اسے کسی طرح نہ نکال سکے"۔

یہاں پہنچ کر دونوں ساتھیوں کے درمیان مکالمہ کا یہ سین ختم ہو جاتا ہے۔ایک ساتھی مرغے کی طرح گردن اکڑائے ہوئے ہے' اس کے ہرے بھرے باغ نے اس کو مغرور بنا دیا ہے۔دوسرا ساتھی اللہ پر یقین رکھتا ہے اور ایمان کو اپنے لیے سرمایہ عزت سمجھتا ہے۔وہ اپنے ساتھی کو وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے' اور تنبیہہ بھی۔ اسے بتاتا ہے کہ باغ کو سرسبز و شاداب دیکھ کر اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ساتھی اس کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔یہ فطری بات ہے کہ اس کی بے حسی کو دیکھ کر اس کے ساتھی کو دین کی خاطر غصہ آجاتا ہے۔وہ بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باغ کو تباہ و برباد کر دے اور وہ ایک بے آب و گیاہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔یا اس باغ کا پانی زمین کے اندر اتر جائے' اور وہ اسے پا ہی نہ سکے' اس کا نکالنا تو دور کی بات ہے۔غصہ کی حالت ہی میں دونوں ساتھی ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ پھر کیا ہوا؟

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا۔ (الکہف ۱۸: ۴۲)

آخر کار ہوا یہ کہ اس کا سارا ثمرہ مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو ٹٹیوں پر الٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔اور کہنے لگا کہ "کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مومن کی دعا قبول کر لی جسے بلاوجہ تنگ کیا گیا تھا۔ہم دیکھتے ہیں کہ مرد مومن کا ساتھی اس بات پر کف افسوس مل رہا ہے کہ اس کا کیا دھرا اور باغ میں لگائی ہوئی محنت و سرمایہ سب ضائع ہو گیا۔باغ تباہی سے ہمکنار ہو چکا ہے۔اب حسرت و ندامت کے اظہار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔آیئے ہم اس کو اس بات پر افسوس و ندامت کرتا چھوڑ دیں کہ وہ شرک کا مرتکب کیوں ہوا' اور ہم تباہی و بربادی اور اعتراف و استغفار کے اس منظر پر پردہ ڈال دیں۔

تاریخی واقعات

اب ہم چند تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ پہلے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا منظر پیش کرتے ہیں۔آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کر رہے ہیں۔ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم 'صدیوں پہلے نہیں بلکہ آج دونوں کو کعبہ کی تعمیر کرتے اور بارگاہ ربانی میں دعا کرتے دیکھ رہے ہیں۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ (البقرہ ۲: ۱۲۷-۱۲۹)

اور یاد کرو' ابراہیم اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے' تو دعا کرتے جاتے تھے:
"اے ہمارے رب' ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے' تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے' اے ہمارے رب' ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے' تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب' ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرماں) بنا' ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا' جو تیری مسلم ہو' ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا' اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما' تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب' ان لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انھیں تیری آیات سنائے' ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے' تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

دعا ختم ہوئی' سین تمام ہوا' اور پردہ گر گیا۔

خبر سے دعا کی طرف نقل کرنے میں عجیب حرکت پائی جاتی ہے۔ دراصل اسی حرکت نے اس منظر کو زندگی بخشی ہے اور اسے آنکھوں کے سامنے حاضر کر دیا ہے۔ خبر یہ ہے: جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ اس خبر کے نتیجے میں پردہ اٹھتا ہے۔ سٹیج یعنی خانہ کعبہ اور ابراہیم و اسماعیل آنکھوں کے سامنے نمودار ہوتے ہیں۔ دونوں ایک طویل دعا میں مشغول ہیں۔

یہاں سارا فنی حسن و جمال اور اعجاز اس چیز میں پایا جاتا ہے کہ حکایت یکایک دعا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہاں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے ظاہر ہو کہ باپ بیٹا تعمیر کے کام کو ختم کر کے' یا اس کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ کر' دعا میں مشغول ہونے لگے ہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ کہانی ابھی جاری ہے' ختم نہیں ہوئی' تو اعجاز اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر یوں کہا جاتا کہ "جب ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور یہ دعا بھی کرتے جاتے تھے کہ" اس صورت میں تصویر ناقص ہو جاتی' اور دعا صرف ایک کہانی بن کر رہ جاتی۔ مگر قرآن کی تصویر میں زندگی دوڑ رہی ہے۔ وہ حکایت نہیں حیات ہے۔ گویا ایک زندہ کہانی ہے جس کو ابھی تک سٹیج پر پیش کیا جا رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بہت بڑا فرق ہے۔ قرآنی الفاظ میں زندگی کا جو عنصر پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے کہانی سٹیج پر محوِ حرکت ہے اور آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اس حرکت کا راز صرف ایک لفظ ' دعا کرتے ہیں ' کے حذف کرنے میں مضمر ہے۔ اسی میں سارا اعجاز پایا جاتا ہے۔

۲۔ اب ہم طوفان نوحؑ کے قصے سے ایک منظر پیش کرتے ہیں۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۔ (ہود ۱۱: ۴۲)

کشتی ان لوگوں کو لیے چلی جارہی تھی اور ایک ایک موج پہاڑ کی طرح اٹھ رہی تھی۔

اس خوف ناک موقع پر حضرت نوح علیہ السلام میں جذبہ پدری بیدار ہوتا ہے۔ ان کا بیٹا ابھی تک کافر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کفار کے ساتھ میرا بیٹا بھی ڈوب جائے گا۔ اچانک ایک بڑی سی لہر نمودار ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ نوحؑ علیہ السلام کے نفس کا "انسان" ان کے "نبی" پر غالب آ جاتا ہے۔ وہ بڑے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں اپنے بیٹے کو پکارتے ہیں۔

وَنَادٰی نُوۡحُ ۨ ابۡنَہٗ وَکَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ (ہود ۱۱: ۴۲)

نوحؑ نے پکار کر کہا: "بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا' کافروں کے ساتھ نہ رہ"۔

نافرمان بیٹا باپ کی پکار کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اور سرکش جوانی 'اپنے شباب ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ بیٹا کہتا ہے:

قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ۔ (ہود ۱۱: ۴۳)

اس نے پلٹ کر جواب دیا "میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھا جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچا لے گا"۔

پریشان باپ آخری دفعہ پکارتا ہے:

قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ۔ (ہود ۱۱: ۴۳)

نوحؑ نے کہا: "آج کوئی چیز اللہ کے حکم سے بچانے والی نہیں ہے' سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے"۔

یکایک سین بدلتا ہے' ایک سرکش لہر آتی ہے اور ہر چیز کو نگل جاتی ہے۔

وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ۔ (ہود ۱۱: ۴۳)

اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔

کس قدر خوف ناک منظر ہے! ڈر کے مارے سامع ان چند لمحات میں سانس روکے رکھتا ہے۔ کشتی پہاڑ جیسی بڑی بڑی موجوں کے درمیان چلی جارہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پریشانی کے عالم میں بیٹے کو برابر پکار رہے ہیں' مگر نوجوان مغرور بیٹا' ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اچانک ایک زور آور' سرکش موج آکر' آن کی آن میں اس سارے منظر کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ اس منظر کے دیکھنے سے انسان پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو باپ بیٹے (نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے) پر حالت زندگی میں طاری ہوئی تھی۔ انسان کے علاوہ دیگر موجودات بھی ایسے ہولناک منظر سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ جب پانی کی لہریں ہر بلند و پست چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوں تو یہ منظر جاندار اور بے جان اشیا سب ہی کو متاثر کرتا ہے۔ (جاری)

سید قطب 'التصویر الفنی فی القرآن' ترجمہ وتدوین: خرم مراد' (ماخوذ از غلام احمد حریری: قرآن کے فنی محاسن)۔

اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے

پروفیسر خورشید احمد

جس طرح دن ایک حقیت ہے' اسی طرح رات بھی ایک حقیقت ہے۔ روشنی اور تاریکی' سپید و سیاہ' صحت و بیماری' سکون و اضطراب' بہار و خزاں' شیریں و تلخ' یہ سب بھی زندگی کے حقائق ہیں اور قافلہ حیات ان سب مراحل سے دوچار رہتا ہے۔ زندگی نام ہی نشیب و فراز سے گزرنے کا ہے۔ "رات دن گردش میں ہیں سات آسماں"۔ کارخانہ قدرت ایک صورت کو دوسری صورت سے بدلنے میں ہمہ وقت مصروف ہے اور انسان کا اصل امتحان اسی دھوپ چھاؤں کے درمیان راز حیات کی تلاش و جستجو میں ہے۔ گردش لیل و نہار کی اصل اہمیت ہی یہ ہے کہ یہ جانا جائے کہ ہر تبدیلی کے مقابلے میں انسان کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ آیا وہ بھی ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ہوا کے رخ کی سمت مڑ جاتا ہے یا اپنے نہ بدلنے والے مقاصد حیات کی خدمت کے لیے نیا عزم اور نیا راستہ تلاش کرنے کی جستجو میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ہر تبدیلی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے' ایام کی ہر کروٹ کارزار حیات میں کچھ نئے میدانوں کا اضافہ کر دیتی ہے' لیل و نہار کی ہر گردش ایک نئی آزمائش کا باب کھول دیتی ہے۔ اصل اہمیت زمانہ کی اس گردش کی نہیں اس ردعمل کی ہے جو اس کے نتیجے میں رونما ہوتا ہے اور انسان کے عزم کی بلندی یا ہمت کی پستی کا پتہ اسی ردعمل سے چلتا ہے۔ گردش لیل و نہار کے اس پہلو کا مطالعہ ہدایت ربانی کی روشنی میں کیا جائے تو بڑے اہم پہلو نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔

قرآن پاک زمین و آسمان کے خالق و مالک کے اقتدار اعلیٰ اور اس کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ۔ (لقمن ۳۱: ۲۹) کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟۔ روشن دن کا رات کی آغوش میں دم توڑ دینا اور پھر تاریک رات کے بطن سے روشنی سحر کا رونما ہونا رب حقیقی کی قدرت اور اس کے اقتدار کی دلیل بھی ہے اور سوچنے سمجھنے والوں کے لیے ایک نشانی بھی۔ یہ کائنات کے قوانین اور زمانے کی گردش کی آئینہ دار بھی ہے اور خود انسانی زندگی اور معاملات کے لیے اس میں عبرت' بصیرت اور رہنمائی کے بے شمار پہلو پوشیدہ ہیں۔ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (النور ۲۴: ۴۴) خدا ہی رات دن کو الٹ پھیر کر رہا ہے۔ اس میں اہل نظر کے لیے

بڑی عبرت ہے۔

قرآن کا یہ خاص اسلوب ہے کہ وہ ایک معلوم و مخصوص چیز کی طرف توجہ کو مرکوز کرتا ہے۔ ایسی چیز جو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے' جو ہمارے لیے اتنی واضح اور بین ہے کہ ہم اس پر سے یونہی گزر سکتے ہیں۔ قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم کائنات کی ان نشانیوں پر سے یونہی نہ گزر جائیں بلکہ ایک لحہ توقف کر کے ان پر غور کریں اور دیکھیں کہ تفکر و تدبر کے کتنے بے شمار گوشے وہ اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ دن اور رات کی آمد و رفت' جو ہمارے لیے ایک روز مرہ کی بات ہے 'کوئی بے معنی شے نہیں ہے۔ اس کے دامن میں عبرت و معرفت کے دفتر پنہاں ہیں۔ قرآن اس نگہ بیدار کو وا کرنا چاہتا ہے' جو گردش لیل و نہار کے پیچھے کام کرنے والی قوتوں کو دیکھ اور سمجھ سکے اور انسان اس علم و بصیرت کی روشنی میں ایک دانشمندانہ رویہ اختیار کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کی ان کروٹوں کو آیات الٰہی قرار دیا گیا اور ان کو ذریعہ ذکر بتایا گیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۔ (الفرقان ۲۵: ۶۲) اور وہ خدا ہی ہے جس نے شب و روز کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا' ہر اس شخص کے لیے جو اس سے کسی نتیجہ تک پہنچنا چاہے یا جو شکر گزار ہونا چاہے۔ ایک دوسرے مقام پر لیل و نہار کو آیات سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل ۱۶: ۸۶) بلاشبہ اس میں (رات دن کے اس طرح آنے جانے میں) بڑی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔

ان آیات پر غور کرنے سے ہمیں جہاں گردش لیل و نہار کی طبعی اور اخلاقی حکمتوں کا علم ہوتا ہے وہیں ہمیں غور و فکر کا ایک اسلوب بھی ملتا ہے جس کے ذریعہ ہم صرف دن اور رات ہی کی گردش نہیں بلکہ ایام زمانہ کی کروٹ پر بصیرت کی نگاہ ڈال سکتے ہیں' اس سے عبرت کے درس حاصل کر سکتے ہیں اور حال و مستقبل کی تعمیر کے لیے روشنی اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ رات صرف تاریک ہی نہیں ہوتی' قدرت کے اس نظام میں اس کا بہت اہم وظیفہ ہے اور دن روشن ہی نہیں ہوتا' اس روشنی کے پہلو میں بہت سے سائے بھی ہوتے ہیں جو کچھ حلقوں کو تمازت آفتاب کے باوجود دام سیاہ میں گرفتار رکھتے ہیں اور کچھ انسانوں کے لیے کمر ہمت کس دینے کی دعوت اور عین معرکے کے وقت گوشہ آرام طلبی بن جاتے ہیں۔ قرآن جہاں ان حقائق زیست سے ہمیں کچھ بلند تر اخلاقی حقائق کو سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے وہیں ہمیں یہ تعلیم بھی دے رہا ہے اس نقطہ نظر سے زندگی کے پہلو اور زمانے کی ہر گردش پر نگاہ ڈالیں اور اس سے ان اخلاقی حقائق کو سمجھیں جو سطح بین نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔

شب و روز اور ماہ و سال کی یہ گردش ہمیں اس حقیقت کا احساس بھی دلاتی ہے کہ تبدیلی اور

تغیر محض کوئی ماضی کا واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ فطرت کا ایک قانون ہے۔"ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں" زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے۔یہ تبدیلیاں خوش آیند بھی ہو سکتی ہیں 'ناپسندیدہ بھی۔ بلندی کی سمت میں بھی ہو سکتی ہیں اور پستی کی طرف بھی۔ان سے روشنیوں میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور تاریکیوں میں بھی۔یہ تعمیر کی راہ ہموار کرنے والی بھی ہو سکتی ہیں اور اس راہ میں کانٹوں کی تعداد بڑھانے والی بھی۔لیکن جس کی نگاہ' زندگی کے حقائق پر ہے وہ ان میں سے کسی تبدیلی پر بھی قانع نہیں ہو جاتا۔نہ خیر کی سمت میں کامیابی اس میں غلط بھروسہ' غرہ یا غفلت پیدا کرتی ہے اور نہ شر کے کسی جھونکے کا وقتی غلبہ اس میں مایوسی 'ہمت شکنی اور بے کیفی پیدا کرتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ شمع کی لو جتنی تیز ہوگی اور روشنی کا ہالہ جتنا بڑھے گا تاریکیوں سے مقابلے کا میدان بھی اتنا ہی وسیع ہو جائے گا اور حق و باطل کی کشمکش کا دائرہ اتنا ہی بڑھ جائے گا۔اس عالم میں ذرا سی غفلت بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔اسی طرح اگر کبھی اسے ایسے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے جو ناخوشگوار اور ناموافق ہیں' تو اسے یقین رہتا ہے کہ اس حالت کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔یہ قابل تغیر ہے اور اسے بدلنے کی کوشش ہی ایک صاحب بصیرت کے کرنے کا کام ہے۔وہ مایوسی کا شکار نہیں ہوتا۔وہ وقت کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتا۔وہ کسی ایک تبدیلی کو مستقل اور دائمی نہیں سمجھتا بلکہ تاریخ کی طول طویل شاہراہ پر نگاہ ڈال کر صاف دیکھ لیتا ہے کہ یہ تو ایک منزل درمیاں ہے! وقت 'تاریخ اور زمانے کے تغیرات کا یہ شعور انسان کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے اور شب و روز کی گردش ہر لمحہ اس کو درس دیتی ہے۔اگر یہ احساس نہ ہو تو انسان نہ کامیابیوں میں حلم اور سمائی کا مظاہرہ کر سکے اور نہ ناکامیوں میں صبر اور برداشت کا۔فتح مندیاں اس کا دماغ خراب کر دیں اور شکستیں اس کا کلیجہ پھاڑ دیں۔نہ اس حال میں وہ راہ اعتدال پر قائم رہ سکے اور نہ اس حال میں۔گردش ایام پر غور و فکر انسان میں شعور زماں پیدا کرتا ہے اور اسے یہ سکھاتا ہے کہ وہ محض ایک لمحہ حال میں زندگی نہ گزارے بلکہ پورے جادہ وقت کو اپنی نگاہ میں رکھے۔اسلام صبر' قناعت 'شکر اور مجاہدہ کی جن اقدار کی تعلیم دیتا ہے' ان کو صرف اسی ذہنی پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے اور اس میں ان پر عمل ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک میں رات کی آمد کو ایک ایسا واقعہ قرار دیا گیا ہے جس سے ذہن کو فوری طور پر اس خالق لیل و نہار کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں ہر شے ہے اور جس کے بغیر زمانے کی سطح پر کوئی جنبش نہیں ہوتی۔ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ - (یٰسٓ ۳۶ ۳۷) اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔قدرت الٰہی سے روشن زمین و آسمان پر تاریکی کا پردہ غالب آجاتا ہے اور انسان نیچے 'اوپر' دائیں 'بائیں غرض ہر سمت میں تاریکی ہی تاریکی کو پاتا ہے۔

انسان اس تاریکی سے نیند کی آغوش میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ لیکن ایک دوسری آیت الٰہی پھر اسے اس کے رب کی قدرت اور اس کے اقتدار و اختیار کا احساس دلاتی ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام ۶ : ۶۰) وہی ہے جو رات کو تمھاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ پھر دوسرے روز وہ تمھیں اسی کاروبار عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے۔ پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رات اور دن کی یہ گردش اس امر کی دعوت دیتی ہے کہ اس کے پیچھے جو قوت کار فرما ہے اسے سمجھا جائے اور جن مقاصد کے لیے وہ رفتار زمانہ میں یہ تبدیلیاں کر رہا ہے ان کو پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ رات محض تاریکی کا ایک پردہ نہیں' یہ وہ مہلت ہے جو اس ہستی کی طرف سے انسان کو ملتی ہے جس کے ہاتھ میں انسانوں کی جان ہے 'جس میں وہ ہمیں کاروبار حیات سے کھینچ کر اس حالت میں لے آتا ہے جس میں محنت اور جدوجہد کے درمیان صرف کی ہوئی قوت کو بحال کیا جائے اور پھر کاروبار عالم کی طرف انسانوں کو بھیج دیا جائے۔ اس حقیقت کو یوں بھی ادا کیا گیا ہے: وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا۔ (الفرقان ۲۵ : ۴۷) وہ خدا ہی ہے جس نے رات کو تمھارے لیے لباس اور نیند کو سکون اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔ ان آیات سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ گردش لیل و نہار بے مقصد نہیں ہے۔ اس کو سطحی نظر سے نہ دیکھا جائے بلکہ اس کے ذریعے انسان ان مقاصد کا شعور حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کی خاطر حکیم مطلق نے دن اور رات اور روشنی اور تاریکی کا یہ نظام بنایا ہے۔

۲۔ اس کا ایک صاف اور واضح مقصد یہ ہے کہ انسان کی کام اور آرام کی فطری ضرورتیں پوری ہوں۔ انسان کے جسم و جان کے یہ تقاضے ہیں کہ ان میں جدوجہد اور راحت و آرام کے درمیان ایک فطری توازن قائم ہو۔ لیکن یہ آرام محض برائے آرام نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ کارگہ حیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے انسان اپنے کو تیار کرے۔ وہ آرام جس کے بعد انسان صبح نو کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہیں اٹھتا اور جو نئی جدوجہد پر منتج نہیں ہوتا' نیند کا آرام نہیں' موت کا سکون ہے۔ یہ آرام دراصل وہ آرام ہے جو جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ اگر یہ اس سے آگے بڑھ جائے تو یہ اپنے مقصد کو کھو دیتا ہے اور اس کی سرحدیں موت سے جا ملتی ہیں۔ دراصل یہ رات کا ایک حرکی تصور (dynamic view) ہے جو قرآن سے ملتا ہے اور جس کی بنا پر صبح و شام اور دن اور رات انسان کی عملی زندگی کے لیے علامتیں (symbols) بن جاتے ہیں اور پھر ان علامتوں کی مدد سے انسان زندگی کے وسیع میدان میں

بے شمار چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور ان کو ان کے صحیح پس منظر میں ان کے ٹھیک مقام پر رکھ کر ان کے بارے میں صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ اس طرح یہ ذہنی تربیت کا ذریعہ ہیں اور اس تربیت سے انسان ہر دائرہ میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۴۔ قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی کے ان واقعات سے اپنے ذہن کو ان کے پس پشت کار فرما قوتوں پر غور و فکر کی طرف راغب کریں اور صرف مادی اور طبیعی پہلوؤں ہی پر غور نہ کریں بلکہ اخلاقی پہلوؤں پر بھی توجہ صرف کریں۔ اور پھر بالاخر اسباب حیات ہی کو منتہا نہ سمجھ لیں بلکہ ان اسباب کے ذریعے مسبب الاسباب تک پہنچیں اور اس کے دامن کو تھام لیں۔ وقت کی ہر کروٹ اور زمانہ کی ہر جنبش کے پیچھے اس کی حکمت بالغہ کام کر رہی ہے۔ عقل مند وہ ہے جو اس حکمت کو پانے کی جستجو کرتا ہے اور اپنے تعلق کو رب سے استوار کرتا ہے۔

اگر آپ ایک اور پہلو سے غور کریں تو محسوس کریں گے کہ رات دو قسم کے کرداروں کو نمایاں کرتی ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جسے روشنی سے نفرت ہے اور جو تاریکی کا پرستار ہے۔ دن کے اجالے میں بھی یہ تاریکیوں ہی کی تلاش میں مصروف رہتا ہے اور رات کی چادر کے جلد از جلد پھیل جانے کی آرزو کرتا ہے۔ رات کی آمد اس کی تمناؤں کی بہار ہوتی ہے۔ اس کی ساری سرگرمیاں شب کے اندھیروں میں فروغ پاتی ہیں۔ انسانی معاشرے میں جس فساد کو پھیلا کر یہ اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اندھیروں کے پردے ہی میں برپا کیا جا سکتا ہے۔ جرائم کے ارتکاب کے لیے' سازشوں کا جال پھیلانے کے لیے' دوسروں کے مال' جان اور آبرو پر حملہ کرنے کے لیے رات کی تاریکی اس گروہ کو بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔ اس لیے یہ اس کی تمنا کرتا ہے اور اسی کے لیے اسے استعمال کرتا ہے۔ انسانی معاشرے پر جب اندھیرے اپنا ڈیرہ ڈال دیتے ہیں تو یہ سرگرم عمل ہوتا ہے اور صبح کی روشنی جب افق کو پرنور کر دیتی ہے تو یہ اپنی پناہ گاہوں میں جا چھپتا ہے۔ جس رات کو مالک نے آرام کے لیے بنایا تھا اسے یہ گروہ انسانوں کے لیے آرام کو حرام کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور فساد فی الارض کا باعث ہوتا ہے اور زمین میں فساد نام ہے خدا کے دیئے ہوئے احکام کو توڑنے اور اس کی جگہ دوسرے طریقوں کو رائج کرنے کا۔ جس طرح چمگادڑ اندھیرے میں سرگرم ہوتی ہے اسی طرح یہ انسانی گروہ بھی اندھیرے میں میدان میں آتا ہے اور معاشرے کا صاحب بصیرت گروہ اس سے ٹکر بھی لیتا ہے اور اس کے مقابلے میں مدافعت اور جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا بندوبست بھی کرتا ہے۔

انسانوں کا دوسرا گروہ وہ ہے جس نے نورِ ہدایت سے اکتساب کیا ہے۔ اس کے لیے رات "لباس اور سکینت" ہے۔ وہ اس سے نئی قوت کار حاصل کرتا ہے۔ تاریکی کا کوئی پر تو اس کے روشن دل و دماغ پر نہیں پڑتا۔ وہ اس موقع کو جسم کے آرام اور روح کی غذا کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وہ

لمبی نیند سے اجتناب کرتا ہے جو غفلت کا رنگ لیے ہوئے ہو اور جو چوروں اور نقب زنوں کا سہارا ہو۔ وہ رات کی تاریکیوں میں اپنی، اپنے لئل خانہ اور اپنے معاشرے کی حفاظت کا بندوبست کرتا ہے۔ اسی طرح جس طرح ایک فوج رات کے وقت دشمن کے شب خون کی مدافعت کے لیے سامان کرتی ہے۔ ہوشیار لوگ ہی ان خطرات سے محفوظ رہتے ہیں جو فساد پرست عناصر سے ان کو لاحق ہیں اور جن کے لیے رات ان عناصر کو موقع فراہم کرتی ہے۔ پھر یہ گروہ آرام تو ضرور کرتا ہے لیکن مزید کام کے لیے تیار ہونے کے لیے۔ اس کا آرام بے مقصد نہیں ہوتا بامقصد ہوتا ہے۔ اس کا مقصد کبھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ رات کی تاریکی میں بھی دل زندہ چراغ کی طرح روشن رہتا ہے اور اندھیروں کو کبھی غالب نہیں ہونے دیتا۔

یہ گروہ رات کو صرف جسم کے آرام ہی کے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ روح کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھی صرف کرتا ہے۔ جس طرح جسم آرام اور نیند کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح روح محاسبہ، عبادت اور دعا کا مطالبہ کرتی ہے۔ وہ جسم کا تقاضا ہے تو یہ روح کی غذا ہے۔ اس سے اگر لوہا مضبوط ہوتا ہے تو اس سے تلوار کی اصل آب عبارت ہے۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۔ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔ (المزمل ۷۳ : ۲ - ۶) (اے محمدؐ) رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات، آدھی رات قیام کیا کرو یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ، اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔ کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔

محاسبہ اور دعا کے لیے بھی یہ بہترین وقت ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں آتا ہے اس وقت بندہ اور رب کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی اور دینے والا سب کچھ دینے کے لیے سب سے زیادہ آمادہ ہوتا ہے اور پکارتا ہے: ہے کوئی مانگنے والا؟ سمجھدار وہ ہے جو رات کو ان کاموں کے لیے استعمال کرتا ہے اور پھر رات کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور شب کے پردوں کے باوجود نور غالب رہتا ہے۔

اس گروہ کو بھی رات بالکل نمایاں کر دیتی ہے۔ اگر پہلے گروہ کے لیے رات اس کی تباہی کا سامان کرتی ہے تو اس دوسرے گروہ کے لیے قوت، برکت اور ترقی کا۔

رات کا طول بھی اپنے اندر غور و فکر کے چند پہلو رکھتا ہے۔ ہر رات برابر کی طویل نہیں ہوتی۔ ایک ہی سال میں رونما ہونے والی ہر رات دوسری سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ محض ایک طبعی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ اس امر واقع کی معنویت کے پہلو بے شمار ہیں۔

اسی طرح رات کی گراں باری ہر ہر فرد کے لیے مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ جو اپنے مقصد کو سمجھتا ہے اور اس کے لیے خلوص اور توکل کے ساتھ مصروف کار ہے وہ نہ رات سے گھبراتا ہے اور نہ رات کے اندھیروں سے۔ اس کا کام اپنا چراغ روشن رکھنا ہے۔ وہ چراغ جو پہاڑی کا چراغ ثابت ہوتا ہے اور دور دور تک اندھیروں کا سینہ چیر کر رہ نوردوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن جس کی نگاہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئی ہو اس کے لیے ہر رات پہاڑ ہو جاتی ہے جسے صبح کرنا "لانا ہے جوئے شیر کا"!

دراصل رات کے طول کے احساس کا انحصار انسان کے رویے پر ہے۔ بات شاعری کی نہیں لیکن "شب ہجر" اور "شب وصل" میں جو فرق ہے وہ ساعتوں کے طول کا نہیں احساس کی کیفیت کا ہے۔ اس لیے وہ جس کی نگاہ ایک ان مٹ مقصد پر ہو اور جس کا کام خدا کے دین کو قائم کرنا ہو (جو ایک مسلمان کا مقصد وجود ہے) اس کے لیے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں۔ سرما کی رات ہو یا گرما کی، خزاں کی شب ہو یا بہار کی، اسے اپنا کام انجام دینا ہے۔ رات اس کے لیے جو معنویت رکھتی ہے اسے ساعتوں اور لمحوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ اس کے لیے تو "جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی"۔

قرآن پاک میں دن رات کا ذکر جس انداز میں کیا گیا ہے اس میں ایک بڑا معنی خیز پہلو یہ ہے کہ دن سے رات اور رات سے دن کے رونما ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر رات کو ایک دن ختم ہوتا ہے۔ کامیاب وہ ہیں جو رات کا استقبال اس طرح کرتے ہیں کہ صبح نو کے لیے تیاری کریں۔

یوں اہلِ توکل کی بسر ہوتی ہے
ہر لحظہ بلندی پہ نظر ہوتی ہے
گھبرائیں نہ ظلمت سے گزرنے والے
آغوش میں ہر شب کے سحر ہوتی ہے

جس طرح بیماری سے انسان کو صحت کی ضرورت و عظمت کا احساس ہوتا ہے اسی طرح رات بھی دن کے نور کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے احساس کو تیز تر کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس نے رات سے سبق سیکھ لیا، اس کی رات احساس سے محروم انسانوں کے "دن" سے ہزار گنا بہتر ہے

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

ہم میں سے ہر ایک
نیکی بھی کرتا ہے اور برائی بھی۔
دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

نیکی پر خوشی ہو اور برائی پر دکھ
اس سے اچھی کوئی بات نہیں

پھر نیکیاں زیادہ ہوتی جائیں گی' برائیاں کم ہوتی جائیں گی
لیکن اگر گناہ کرنا ایسا ہو'
جیسے ناک پر سے مکھی اڑا دی
رب کی نافرمانی کریں اور کچھ محسوس نہ ہو
تو یقیناً یہ کوئی اچھی بات نہیں

فکر ہونا چاہیے آخری دن کی ترازو کی!
نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوا تو؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے میرے رب! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور برائی کریں تو دکھ محسوس کریں۔
اے ہمارے رب! ہمیں بھی ان میں سے کر دے!

(خیر خواہ)

اختلاف امت : اسباب اور حل

مفتی محمد شفیعؒ

ہمارے معاشرہ میں مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت و سنت کے عنوان سے پیدا ہوا ہے۔اس قسم کے اختلافات بلاشبہ وہ تفرق و افتراق ہیں' جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید ہے۔قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتایا ہے جس کے ذریعہ تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے' بڑھنے نہ پائے۔یہ وہی اصول دعوت الی الخیر ہیں' جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبر' پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرمی کے قابل قبول عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلاتا ہے' اور آخر میں مجادلہ باللتی ھی احسن یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔مگر افسوس کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصولوں کو نظرانداز کر دیا۔وہ صرف جدال میں' اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے۔یہاں تک کہ اپنے حریف کا استہزا اور تمسخر اور اس کو زیر کرنے کے لیے جھوٹے' سچے' جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا۔اس کے نتیجہ میں جنگ و جدال کا بازار تو گرم ہو گیا' مگر اصلاح خلق کا کوئی پہلو نہ نکلا۔

افتراق امت کے تین اسباب

مسلمانوں کے طبقات اہل دین و اصلاح اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے مابین جو تفرقہ آج پایا جاتا ہے وہ عموماً درج بالا حقائق کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔اب میں ان اسباب و عوامل کو پیش کرتا ہوں جو میرے غور و فکر کی حد تک مسلمانوں کی باہمی آویزش اور جدال کا سبب بنے ہوئے ہیں۔افسوس اس کا ہے کہ اس کو خدمت دین سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

۱ — غلو

اس جنگ و جدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب و تعصب' اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا' اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے' جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا۔اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے'

اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے' کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کا اتباع کریں' اور وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک جنی تعلیمی اور عملی آسانیوں کے لیے ہو' تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' نہ کوئی تفرقہ اور نہ ملت کے لیے کوئی مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن ایک تو اس کا یہ منفی پہلو ہے کہ اپنی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ و جدال اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو کہ سارا علم و تحقیق کا زور اور بحث و تمحیص کی طاقت اور عمر کے اوقات عزیز انھی بحثوں کی نذر ہو جائیں۔ اسی طرح نہ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں پر نکیر کرنا درست ہے' نہ ان کو خطاکار مجرم ٹھیرانا صحیح ہے۔ اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علما و فقہا کا' خصوصاً جو تعلیم و تصنیف میں مشغول ہیں' ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی و عمل کی ساری توانائی انھی فروعی بحثوں میں محدود نظر آئے گی۔

لمحہ فکریہ

ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے' کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارک قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں' جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جارہی ہو اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ حضرات اسلام کی بنیادوں پر چاروں طرف سے حملہ آور طوفانوں سے باخبر نہیں' یا جان بوجھ کر اغماض برتتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر' عیسائیت اور کمیونزم [سیکولرازم] نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیرا ڈالا ہوا ہے اور یہ کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ نوجوانوں کو بہ کثرت نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے' دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادی علوم و فنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں۔ کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی' عریانی' رقص و سرود کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو [موثر جدید ذرائع ابلاغ] کے ذریعہ فلمی گانوں اور سینماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

دوسری طرف' ہمارے بازار جھوٹ' فریب' سود' قمار سے بھرے ہوئے ہیں' اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں ہندو بنئے نہیں [بلکہ] اسلام کے نام لیوا ہیں... ہمارے.

سرکاری محکمے رشوت 'ظلم و جور 'کام چوری 'بے رحمی اور سخت دلی کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما' نہ انگریز ہیں ' نہ ہندو ' نہ یہودی [بلکہ] محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے 'روز آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے [مسلمان] ہیں۔

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اگر محشر میں آپؐ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے ' میری امت اس بدحالی میں مبتلا تھی ' تم وراثت نبوت کے دعویدار کہاں تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلبہ کو شرح جامی کی بحث حاصل و محصول خوب سمجھائی تھی ' یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں ' یا صحافیانہ زور قلم اور فقرہ بازی کے ذریعے دوسرے علماو فضلا کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث و تمحیص کوئی مذموم چیز نہیں 'اگر وہ اپنی حد کے اندر ' اور اخلاص سے اللہ کے لیے ہو ' لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام و ایمان کی بنیادیں متزلزل کر دینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں۔ اللہ و رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزا و تمسخر اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں 'مگر ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ تو اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فروعی بحثیں ہم اخلاص [واقعی] کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے کر رہے ہیں۔ اگر ان میں کچھ للہیت اور اخلاص ہوتا' تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصول اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے۔ ہم نے اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی چھوڑ دیا ہے۔ لڑنا کس محاذ پر چاہیے تھا اور ہم نے طاقت کس محاذ پر لگا دی؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن ۔ یہ تو تحزّب و تعصّب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق و تشتت اور جنگ و جدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر و استہزا تک پہنچ جاتا ہے ' جو کسی شریعت و ملت میں روا نہیں۔ افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمت علم و دین کے نام پر کیا جاتا ہے۔ جب یہ معاملہ ان علما کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو ایک "جہاد" قرار دے کر لڑتے ہیں ' اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست و بازو سے ہونے لگے ' اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر و الحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں!

قرآن و حدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے ' جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے۔ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ' دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ایک وصیت کا ذکر ہے جو تمام انبیا سابقین کو کی گئی ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں: اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ۔ امام ابو العالیہ ؒ نے فرمایا کہ "اقامت دین سے مراد اخلاص ہے اور لَاتَتَفَرَّقُوْا کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں عداوت نہ کرو' بھائی بھائی بن کر رہو"۔

اس وصیت کے بعد قرآن میں بنی اسرائیل کے تفرق کا بیان کر کے اہل اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے طریقہ پر نہ جائیں۔اس میں ارشاد ہے: وَمَاتَفَرَّقُوْٓا اِلَّامِنْ بَعْدِمَاجَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًابَیْنَھُمْ۔ ابو العالیہ ؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ "لفظ بَغْیًابَیْنَھُمْ میں ارشاد ہے کہ ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ و جدل تک پہنچنا کبھی دین کے سبب سے نہیں ہوتا' بلکہ یہ عداوت' جب بھی غور کرو' اس دنیا' حب مال یا حب جاہ کے سبب ہوتی ہے'جس کو نفس و شیطان خدمت دین کا عنوان دے کر مزین کر دیتا ہے (جامع العلم' ج ۲'ص ۸۴)۔جس طرح دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے [تو وہ] اپنے معالجہ کے لیے کسی ایک حکیم یا ڈاکٹر کا انتخاب کر کے صرف اسی کے قول پر بھروسہ کرتا ہے مگر دوسرے ڈاکٹروں کو برا بھلا کہتا نہیں پھرتا ایک مقدمہ آپ کسی ایک شخص کو وکیل بنا کر اپنا مقدمہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں'مگر دوسرے وکلا سے لڑتے نہیں پھرتے' اجتہادی مختلف فیہ مسائل میں بھی ٹھیک یہی آپ کا طرز عمل ہونا چاہیے۔

۲ – جماعتوں کا غلو

ہماری دینی جماعتیں' جو تعلیم دین' یا ارشاد و تلقین' یا دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے لیے قائم ہیں' اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں۔ان میں بہت سے علما و صلحا اور مخلصین کام کر رہے ہیں۔ اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں' اور اقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں' تو یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور تقسیم عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ اور نظام عمل بنایا ہے'عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمت دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں۔گو زبان سے نہ کہیں' دوسری جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے۔اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشتت پایا جاتا ہے۔

غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگرچہ دین کی اشاعت' حفاظت اور مسلمانوں کی علمی 'عملی' اخلاقی اصلاح ہی ہے' اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کسی نے ایک

محاذ سنبھالا' کسی نے دوسرا۔ ان مختلف محاذوں پر ہر جماعت نے بجا طور پر اپنے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظام عمل اور اس کے اصول و قواعد بنا رکھے ہیں اور ہر جماعت ان کی پابند ہے۔ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن و سنت سے ثابت ہے' اس سے انحراف کرنا قرآن و سنت کی حدود سے نکلنا ہے' لیکن ان کا اپنا بنایا ہوا نظام عمل اور اس کے تنظیمی اصول و قواعد نہ منصوص ہیں' نہ ان کا اتباع از روئے شرع ہر ایک کے لیے ضروری ہے' بلکہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولت عمل کے لیے ان کو اختیار کر لیا ہے۔ ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام عمل بنا لینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا۔ مگر [دوسری جانب] اس میں عملی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظام عمل کو مقصد منصوص کا درجہ دے دیا گیا۔ جو شخص اس نظام عمل میں شریک نہیں' اگرچہ اسی مقصد کے لیے وہ کتنا ہی عظیم کام [کیوں نہ] کر رہا ہو' اس کو اپنا بھائی' اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا۔ اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا' پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا' تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے' اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے' اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے۔ اس غلو کے نتیجے میں وہی تعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دین دار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں' جو جاہلی عصبیتوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

۴ - پیغمبرانہ حکمت دعوت سے پہلوتہی

تبلیغ و دعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ و جدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے' کہ آج کل کے اہل زبان اور اہل قلم علما نے عموماً دعوت و اصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظرانداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور موثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ تجربے و مشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطاکار یا گم راہ کی اصلاح کی کبھی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ طریق کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے' اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں' اپنے ہوا خواہوں اور معتقدین کے لیے کچھ دیر کا سامان تفریح ضرور ہو جاتا ہے اور ان کی داد تحسین دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے۔ لیکن جو لوگ اس مضمون کے مخاطب ہوتے ہیں ذرا ان کے دلوں سے پوچھیے! اگر کسی وقت ان کو اس بات کے حق ہونے کا یقین بھی ہو جائے تو کیا یہ فقرہ بازی اور تمسخر و استہزا کا طریق اس کو حق کی طرف

آنے سے مانع نہیں بن جاتا؟ اور انھیں ہمیشہ کے لیے اس داعی کا دشمن نہیں بنا دیتا ہے؟

پیغمبرانہ دعوت کے چار عناصر

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی دعوت کا طریقہ ملاحظہ فرمایا جائے تو اس کے الفاظ سادہ مگر عام انسانی ہمدردی سے لبریز اور نرم ہوتے ہیں، وہ مخالفین کی سخت ترین بدکلامی سن کر بھی جواب سادہ اور نرم دیتے ہیں، فقرے نہیں کستے، دل میں ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ حق بات کو قبول کر لے۔ اس کے لیے حکمت کے ساتھ تدبیریں بھی کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کی روح قرآن کے ایک لفظ نذیر سے سمجھی جا سکتی ہے جو ہر پیغمبر کے لیے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں جابجا ان کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ لفظ نذیر کا ترجمہ اردو میں ڈرانے والے کا کیا جاتا ہے مگر ڈرانے کا لفظ نذیر کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس ترجمہ کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرانے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں [مثال کے طور پر] چور، ڈاکو کا بھی ڈرانا ہے۔ درندے اور دشمن کا بھی ڈرانا ہے اور ایک شفیق باپ بھی اپنے بچے کو بچھو، سانپ، زہر اور آگ سے ڈراتا ہے۔ پہلی قسم نری تخویف ہے۔ دوسری قسم مہربان باپ کی طرف سے ہے۔ تکلیف دہ چیزوں سے ڈرانے والے کو نذیر کہا جاتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے لیے نذیر کا لفظ استعمال فرما کر ان کی تبلیغ و تعلیم کی روح کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وہ صرف کوئی پیغام ہی نہیں پہنچاتے، بلکہ حکمت اور ہمدردی اور خیر خواہی سے اس پیغام کو موثر بنانے اور مخاطب کو ہلاکت سے بچانے کی پوری تدبیر اور کوشش بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں پیغمبرانہ دعوت کے جو اصول ایک آیت میں بیان کیے گئے ہیں، وہ گویا اس لفظ نذیر کی شرح ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ اس میں دعوت الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے بِالْحِکْمَۃِ کو رکھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام و کلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں، بلکہ حکمت و تدبیر سے مناسب وقت، مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لیے قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری چیز موعظۃ ہے جس کے معنی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ نیک کام کی طرف بلانے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لیے ضروری ہے کہ جو کلام کرے، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز موعظۃ کے ساتھ حسنۃ کی قید ہے اور اس میں اشارہ عنوان کو نرم اور دل نشیں بنانا ہے کیونکہ بعض اوقات خالص ہمدردی اور خیر خواہی سے کسی کو اس کی بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے،

مگر عنوان اور لب و لہجہ دل خراش ہوتا ہے، تو وہ دعوت بھی موثر نہیں ہوتی اس لیے موعظة کے ساتھ حسنة کی قید لگا دی۔

ایک چوتھی چیز یہ بتلائی [گئی ہے] کہ اگر دعوت کو ان آداب کے ساتھ پیش کرنے پر بھی قبول نہ کیا جائے اور نوبت مجادلہ ہی کی آ جائے تو پھر عامیانہ انداز کا مجادلہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن یعنی اچھے طریقے پر ہونا چاہیے۔ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: مجادلہ بھی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مجادلہ بالتی ھی احسن یہ ہے، کہ اس میں اپنا غصہ اتارنا یا اپنے نفس کی بڑائی پیش نظر نہ ہو، [بلکہ] خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے ہو، اور مجادلہ بالتی ھی احسن صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ [جب] غیر مسلموں سے مجادلہ کی نوبت آئے تو اس میں بھی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے: وَلَاتُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ یعنی کفار اہل کتاب سے مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بھی بالتی ھی احسن یعنی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے۔

انبیا علیہم السلام کا اسوہ حسنہ

انبیا علیہم السلام کے دعوت و اصلاح کے واقعات جو قرآن و حدیث میں بے شمار آئے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک ایک کو دیکھیے تو پوری عمر کی کوششوں کو اسی انداز پر پائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام سو پچاس نہیں، بلکہ نو سو برس تک جس قوم کو دعوت دیتے رہے، ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھاتے رہے۔ اس کے باوجود جب ان کی قوم نے سختی اور بے تہذیبی کا معاملہ کیا، ان کو بے وقوف بتایا تو آپ کو معلوم ہے کہ اس رسول نے کیا جواب دیا: یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاھَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ میرے بھائیو! مجھ میں کوئی بے وقوفی نہیں، بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول بنا کر تمھاری بھلائی کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

سرور کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے واقعات اسی طرز کے شاہد ہیں۔ ہر طرح کی ایذائیں سہنے کے بعد بھی ظالموں سے انتقام لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے، ان کے لیے بھی دعائے خیر کی جاتی: اھدقومی انھم لایعلمون۔

جن علما کو وراثت انبیا کا کچھ حصہ ملا ہے ان سب کا بھی دعوت و تبلیغ میں یہی حال رہا ہے۔ آخری دور میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ وہ دہلی جامع مسجد سے وعظ کر کے باہر آ رہے تھے۔ مسجد کی سیڑھیوں پر چند غنڈوں نے راستہ روکا اور کہا: ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں۔ شاہ صاحب نے نہایت طمانیت سے فرمایا: بھائی، آپ کو غلط خبر ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ موجود ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا مقصد صرف گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے، مگر وارث انبیا کا جو کام

ہونا چاہیے وہ کیا۔

طریقِ نبوت اور ہم

حقیقت یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام انبیا یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں، جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیرخواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی رفتار و گفتار میں کسی مخالف پر طعن و تشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا۔ وہ مخالف کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے، وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو اختیار نہیں کرتے۔ اسی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے۔ آج افسوس یہ ہے کہ ہم اسوۂ انبیا سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے کلام و تحریر میں ان کی کسی بات کا رنگ نہ رہا۔

آج کل کے مبلغ کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح کے الزام لگا کر اس کو رسوا کرے، اور فقرے ایسے چست کرے کہ سننے والا دل کو پکڑ کر رہ جائے، اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور اردو ادب ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیا کو جب مقام دعوت پر کھڑا کرتے ہیں تو موسیٰ و ہارون علیہما السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو فرعون جیسے سرکش کافر کی طرف بھیجنے کے وقت یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں: فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی (فرعون سے بات نرم کرو، شاید وہ راستہ پر آجائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے)

آج ہمارے علما اور مصلحین و مبلغین میں کوئی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ ہادی اور رہبر نہیں ہو سکتا، اور ان کے مخاطب فرعون سے زیادہ گم راہ نہیں ہو سکتے تو ان کے لیے کیسے روا ہو گیا کہ جس سے ان کا کسی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی پگڑی اچھالیں اور ٹانگ کھینچنے کی فکر میں لگ جائیں اور استہزا و تمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں۔ پھر دل میں خوش ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور لوگوں سے اس کے متوقع رہیں کہ ہماری خدمات کو سراہیں اور قبول کریں۔

میری نظر میں اس وقت یہ تین اسباب ہیں جو مسلمانوں کا شیرازہ بندھنے نہیں دیتے۔ ہر اجتماع کے نتیجہ میں افتراق اور ہر تنظیم کے نتیجہ میں تفریق، ہر اصلاح کے نتیجہ میں فساد اور ہر دعوت کے نتیجہ میں نفرت ہمارے سامنے آتی ہے۔ کاش، ہم مل کر سوچیں، اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ کیونکہ اصل مرض یہی ہے کہ حب مال و جاہ، حسد و بغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں۔ ہمیں اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری، رشوت، سود، شراب، رقص و سرود اور سینما سے پرہیز کرتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ ہماری نماز، روزہ کی پابندی

اور سود ' شراب ' رقص و سرور سے پرہیز 'کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری کے پیشہ کی خاطر ہو؟ کیونکہ اس پیشہ میں ان چیزوں کی کھپت نہیں۔ ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خالص خوف خدا کی بنا پر بچتے ہوتے تو حُبِ مال وجاہ ' حسد و بغض 'کبر وریا سے بھی بچتے ہوتے 'کیونکہ ان کی نجاست کچھ سود و شراب سے کم نہیں 'مگر [چونکہ] یہ باطنی گناہ ہمارے جبے اور عمامے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ' اس لیے ان کی پروا نہیں ہوتی۔ یہی وہ چیزیں ہیں ' جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں۔

علماے کرام سے گذارش

اہل نظر و فکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہیں ' ان کا سب سے بڑا آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے۔ ورنہ عددی اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام میں کسی وقت بھی مسلمانوں کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی ' جتنی آج ہے۔

اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب خدا اور آخرت سے غفلت اور دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چند روزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی ہوس بے لگام ہے۔ یہ ہمارے معاشرے میں کبھی سیاسی اقتدار کے لیے کش مکش ' تجارتی اور صنعتی ریس 'عہدوں اور منصبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرے کو پارہ پارہ کرتی ہے۔ کبھی یہ مذہبی اور دینی نظریات کی آڑ اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اہانت و استہزا پر اکسا کر ہماری بربادی و تفرقہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وگرنہ اجتہادی نظریات کے باہمی اختلاف کے باوجود صحابہؓ و تابعینؒ کی طرح ہماری جنگ کا رخ صرف کفر و الحاد اور بے دینی کی طرف ہو جائے اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک صف اور ایک بنیان مرصوص نظر آئیں۔

سیاسی اور اقتصادی میدان اور اعزاز و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو سردست ہمارے بس میں نہیں۔ لیکن خود دین و مذہب کے لیے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اختلافات ' اشتراک مقصد کی خاطر معتدل کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ہم "اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد بے دینی کے سیلاب کی مدافعت" کے اہم مقصد کو صحیح معنی میں اصلی مقصد سمجھ لیں ' تو یہ نکتہ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ' ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی موثر کام انجام پا سکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ اصلی مقصد ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے ' اس لیے ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے۔ وہی ہمارے وعظوں ' جلسوں ' رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے۔ جس رخ کو انھوں نے

اختیار کر لیا ہے، اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر و الحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے۔

اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لیے پکارتا ہے، وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا نظر آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے۔ اعمال و اخلاق برباد ہیں۔ معاملات و معاہدات میں فریب ہے۔ سود، قمار بازی، شراب، خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیا کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے، اس سے آدھا بھی خدا کے ان باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟ اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے، وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے، اس کا کوئی حصہ سرحدوں اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلے میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیان مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیا اور نزول قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنایا، جس نے اولاد آدم کو بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا، اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، کیا وہ صرف یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں؟ کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ "کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کیے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں"۔

آخر وہ کون سا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے؟ ملک میں [بے دینی اور بداخلاقی] کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے؟

اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور ملجا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ سوال فرمایا: میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے۔ اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جا رہا تھا۔ میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی۔ قرآن و سنت کی کھلے طور پر تحریف کی جا رہی تھی، خدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جا رہی تھی۔ [اس وقت] تم مدعیان علم کہاں تھے، تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر

لگایا؟ آج ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا کیا جواب ہو گا!

راہ عمل

اس لیے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے علما حضرات سے دردمندانہ گذارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے 'جس کی حفاظت کے لیے قرآن و حدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

۱۔ علما کرام اس بات کا عہد بھی کریں اور فیصلہ بھی 'کہ اس کام کے لیے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے ' جس کی حفاظت کے لیے قرآن و حدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

۲۔ علماکرام 'اس بات کا عہد بھی کریں اور فیصلہ بھی 'کہ اس کام کے لیے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

۳۔ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف و تالیف اور فتوے تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں' اخباروں' اشتہاروں' باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے 'ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول دعوت و اصلاح کے تابع رہتے ہوئے دلخراش عنوان اور طعن و تشنیع استہزا و تمسخراور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

۴۔ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لیے دلنشیں عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

۵۔ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن و سنت کے مقابلہ کے لیے پیغمبرانہ اصول دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں و مشفقانہ' ناصحانہ بیانوں اور دلنشیں دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالتی ھی احسن کے ساتھ اپنے زور زبان اور زور قلم کو وقف کر دیں گے۔

میں جو کچھ کہہ گیا ہوں افسوس کہ نہ میرا منصب تھا نہ علماکرام کے سامنے مجھے ایسی جرات کرنا چاہیے تھی 'مگر دکھی دل کے کچھ کلمات ہیں جو زبان پر آ گئے۔ میرے محترم بزرگ مجھے معاف فرمائیں اور اگر ان باتوں میں کوئی مفید پہلو ہے تو وہ خود ان کا اپنا کام ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر علما اس طرف متوجہ ہو گئے اور کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا) آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا مشاہدہ کریں گے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۔

اکیسویں صدی کا منظر

حسین مطلب

ترجمہ و تلخیص: محمد ایوب منیر

احیا، مفہوم و اثرات

اسلامی احیا کے عالمی اثرات ہر طرف محسوس کیے جا رہے ہیں۔ غیر مسلم، خصوصاً اہل مغرب اسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن نے آیندہ صدی کے حوالے سے ''تہذیبی تصادم' کا نظریہ پیش کیا ہے۔ دوسری طرف اسلام اور اسلامی احیا کے تصور کو مسخ کرنے میں انتہاپسندوں کا اپنا کردار ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

مسلمان معاشروں میں مغرب کو یکسر مسترد کرنے اور مغرب کے سانچے میں مکمل ڈھل جانے کے متضاد رویے موجود ہیں جب کہ اسلامی تحریکات کے نتیجے میں اسلامی اقدار اور روایات عالمی توجہ کا مرکز بنے ہیں۔ اسلامی احیا کے بارے میں مسلمان اہل دانش اور اشرافیہ نے ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ چند ممالک میں اسلامی تحریکوں کے سیاسی و اقتصادی کردار کی وجہ سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی برتری کو تسلیم کیا جا رہا ہے اور یہ مذہب نہ صرف اپنے ممالک میں بلکہ عالمی پیمانے پر بھی اہم کردار ادا کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں کے خیال میں ان تحریکات کے اثر سے مسلمانوں کی حالت اور اسلامی ممالک کے اپنے کردار میں تو بہتری نظر نہیں آ رہی، عالمی کردار کیسے ادا ہو سکے گا۔

اسلامی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے اس عمومی صورت حال میں تبدیلی یا غیر معمولی بہتری اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک مسلم قائدین تحریک اور اہل دانش روز مرہ چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایمان اور تدبر کے ساتھ نئے خیالات نئی حکمت عملی اور نیا لائحہ عمل اختیار نہ کریں۔ اگر انھوں نے اس سے غفلت برتی تو طاقتور ممالک مثلاً امریکہ، یورپی برادری، روس، چین اور جاپان، نیز نئے صنعتی ممالک ان کا کردار محدود کر دیں گے۔

دو پیش منظر

حالیہ برسوں کی عالمی ترقی کے نتیجہ میں دو پیش منظر سامنے آسکتے ہیں۔ اس میں ہمارے مقام کا تعین نہ صرف ہمارے کردار سے ہو گا بلکہ عالمی برادری خصوصاً غیر مسلم مغربی طاقتیں بھی اس میں اپنا کردار ادا کریں گی۔ نو آبادیاتی دور میں ہم ان کو اچھی طرح آزما چکے ہیں۔ یہ استعماری طاقتیں اسلامی ممالک پر مسلط ہوئیں تو مسلمانوں کا اقتصادی' سیاسی اور مذہبی وجود مسخ ہو گیا اور ہم آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اب تو غیر مسلم قوتوں کے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے بظاہر آزاد مسلم ممالک کو عملاً کالونیوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اکیسویں صدی میں تو دنیا اور بھی سمٹ جائے گی اور عالمی گاؤں حقیقتاً وجود میں آجائے گا۔ اس وقت جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہو گی وہی انسانی زندگی کے معاملات اور اقدار پر بھی اثر انداز ہوں گے۔

پہلا منظر

ایک منظر تو یہ سامنے آتا ہے کہ دنیا نسبتاً محفوظ' پر سکون اور مستحکم ہو جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب فوجی یا سیاسی گٹھ جوڑ کے بجائے معیشت و تجارت ریاستوں کے درمیان تعلقات کی بنیاد ہو۔ سرد جنگ کے خاتمے سے عالمی امن کو لاحق خطرات میں کمی واقع ہوئی ہو۔ ریاستیں جانتی ہوں کہ ان کی اصل ترجیح اقتصادی خوشحالی ہے اور انھوں نے اپنی تمام ذرائع و سائل اقتصادی خوشحالی کے لیے لگا دیے ہوں۔ امریکہ' چین' جاپان اور روس جیسی بڑی طاقتیں نیز ایشیا بحرالکاہل کی قوتیں اپنے رویوں میں اس قدر لچک دار ہو چکی ہوں کہ وہ کم ترقی یافتہ ممالک کو اٹھانے اور ساتھ ملانے کے لیے ایمان داری اور انصاف سے سرگرم کردار ادا کر رہی ہوں۔

وہ عالمی مسائل جو ملکی سرحدوں سے ماوراءہیں مثلاً ماحولیات' کثرت آبادی' ایڈز' غربت' عدم فراہمی خوراک' وبائی بیماریاں' عالمی دولت کی منصفانہ تقسیم جیسے امور' زیادہ منظم انداز میں حل ہو رہے ہوں تاکہ دنیا بھر کے شہریوں کو مجموعی طور پر اس کا فائدہ پہنچ سکے۔ آزاد جمہوری اقدار کے ہر ملک میں رواج سے ملکوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہو۔ اقوام متحدہ زیادہ ذمہ دار اور زیادہ موثر بن چکی ہو اور اقوام عالم کی برادری ناانصافیوں کے خاتمے' اجتماعی نشوونما اور مزید پرامن دنیا کے حصول کے لیے اقوام متحدہ پر اعتماد رکھتی ہو۔ یہ ایک ممکنہ پیش منظر ہو سکتا ہے۔

دوسرا منظر

دوسرا ممکنہ عالمی منظر پریشان کن ہو سکتا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا کے مختلف ممالک میں عدم استحکام اور مذہبی اور لسانی خلفشار پیدا ہو گیا ہو۔ فاشسٹ اور کمیونسٹ حکومتوں کے ٹوٹنے پر

ماضی کی دشمنیاں جس طرح بوسنیا اور روانڈا میں پھوٹ پڑی تھیں اب دوسری جگہوں تک پھیل گئی ہوں۔ عالمی پیمانے پر دو بڑی قوتوں کے خاتمے کے بعد چین 'جاپان اور جرمنی جیسی علاقائی اقتصادی قوتیں زیادہ موثر کردار کی متمنی ہوں۔

کرشماتی لیڈروں کی وفات سے کچھ ممالک میں عدم استحکام اور تخریب شروع ہو چکی ہو۔ چین میں ڈینگ یاؤپنگ کے مرنے سے یہ منظر پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کی بدترین شکل یہ بھی ممکن ہے کہ سارے چین میں جنگجو سردار سر اٹھائیں اور تیرہ فی صد سالانہ کی رفتار سے بڑھنے والی اس کی اقتصادی ترقی دھری کی دھری رہ جائے۔ اس قسم کے مدوجزر دنیا بھر میں اثرات مرتب کریں گے۔ روس اپنے کسی نئے قوم پرست لیڈر کی سرکردگی میں اپنے ہمسایہ ممالک میں چیچنیا کی طرح مہم جوئی پر اتر آئے۔ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کا عمل اسرائیل عرب تعلقات کو پرامن کر دے لیکن یہ علاقے کے سیاسی و اقتصادی نظام کے لیے خطرے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ جزیرہ نما کوریا' جنوبی بحرچین ' بالٹک کی ریاستیں اور دیگر علاقے سیاسی کشکش کا مرکز بن سکتے ہیں۔ مغربی جمہوریت میں یقین نہ رکھنے والے ممالک مثلاً اسلامی ریاستیں اور کنفیوشس مذہب کی پیروکار ریاستیں اپنی تہذیبی و ثقافتی آزادی کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حلقہ اثر میں اضافہ کرنے کے لیے نئے جھگڑے کھڑے کریں۔ اس صورت حال میں اقوام متحدہ کے اثرات میں کمی ہو گی اور وہ عالمی پیمانے پر امن قائم کرنے میں کوئی کردار ادا نہ کر سکے گی۔ دنیا میں انتشار اور عدم استحکام کا چلن ہو گا۔

بہت سے سیاسی رہنما مستقبل کے ان متوقع مناظر میں سے پہلے منظر کو حقیقت بنانے کے حق میں زیادہ ہیں تاکہ دنیا رہنے کے لیے پرسکون جگہ ہو۔ مسلمانوں کو پہلے منظر کی امید کے ساتھ ساتھ دوسرے بلکہ بدتر منظر کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

اسلامی نشات ثانیہ: پرانے نصب العین، نئے قالب

بیسویں صدی میں نشات ثانیہ کے قائدین 'حسن البنا" محمد اقبال"' ابوالاعلیٰ مودودی"' محمد ناصر"' حسن الترابی' علی شریعتی" اور آیت اللہ خمینی" یا اخوان المسلمین' جماعت اسلامی اور محمدیہ جیسی تحریکوں نے اسلامی بیداری اور احیا کا پیغام پہنچایا۔ ان کا پیغام یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کریں' اور شاندار اسلامی ماضی کو سامنے رکھ کر مستقبل کی تعمیر کریں۔ عقائد خامیوں سے پاک ہو جائیں اور اسلامی ریاست یا اس سے ملتا جلتا نظام وجود میں آجائے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف بار بار متوجہ کرنے کی وجہ سے' ان کی پکار کو منفی رخ دینے کے لیے بہت سے مغربی مفکرین اور سیاست دانوں نے انھیں "بنیاد پرست" کا الزامی تعارف دیا حالانکہ مذکورہ بالا مفکرین نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی تھی' اسلام کی اصل تعلیمات کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔ ان سے پہلے محمد بن عبدالوہاب"

(۹۲-۱۷۰۳)' شاہ ولی اللہ دہلوی" (۹۳-۱۷۰۲)' مہدی محمد احمد" (۸۵-۱۸۴۸)' محمد علی سنوسی" (۱۸۵۹-۱۷۸۷) اور ان کے پیروکاروں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی طرف ہی بلایا تھا۔

اکیسویں صدی میں درپیش چیلنج

مستقبل کی کچھ چیزیں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ ٹیکنالوجی اور ابلاغ کے میدان میں ترقی' باہم قریب ہوتی دنیا' جدید ترین ایجادات' عالمی اقتصاد و سیاست میں کئی شاطروں کا کردار' غلبہ حاصل کرنے کے لیے نظریاتی ثقافتی لسانی مذہبی کشمکش اور مسلمانوں کی فکری قیادت کے مشرق وسطیٰ سے جنوب مشرقی ایشیا اور امریکہ منتقل ہونے سے عربی کے بجائے انگریزی کے رابطہ زبان بننے کے امکانات۔

مذکورہ بالا تمام رجحانات' دراصل مسلمانوں کو آیندہ درپیش چیلنج ہیں:

۱۔ اقتصادی چیلنج: مسلمان اپنا علم اور مہارت کس طرح بڑھائیں تاکہ دورجدید کے مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں تلاش کریں۔

۲۔ معاشرتی و تہذیبی چیلنج: مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر مثلاً سیکولرزم' نیشنل ازم اور لبرلزم سے کس طرح معاملہ کیا جائے۔

۳۔ سیاسی چیلنج: مقامی اسلامی قیادت بین الاقوامی سطح پر کس طرح اپنی قوت اور وزن تسلیم کرا سکتی ہے۔

اقتصادی چیلنج

اس کا تعلق طلب علم اور فنی مہارت کو جدید بنانے سے ہے۔ انسانی تہذیب کی تاریخ یہ ہے کہ زیادہ علم اور زیادہ مہارت والے لوگ زیادہ خوش حال اور غالب رہتے ہیں۔ زمانہ قبل اسلام کی عرب تہذیب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ علاقہ اس قدر پس ماندہ تھا کہ اس دور کی بڑی طاقتوں بازنطین اور ایران نے اس کو نظرانداز کیے رکھا۔ جب عربوں نے اسلام کے زیر سایہ علم اور قوت حاصل کی تو دنیا ان پر رشک کرنے لگی۔

مسلمانوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ علم حاصل کریں اور مہارت پیدا کریں تاکہ وہ وقت کی ضروریات پوری کر سکیں۔ ہمیں عالمی سطح کے سائنس دانوں' انجینیروں' ماہرین اقتصادیات و تجارت' علما اور بہ کثرت تجربہ کار فنی ماہرین کی ضرورت ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان ماہرین اور نوجوانوں کو یہ جاننا چاہیے کہ محض علم نہیں' علم کے ساتھ ایمان بھی مطلوب ہے۔ ورنہ ایسے ماہرین کی کھیپ پیدا ہوتی

چلی جائے گی جو اپنی خدمت کرنے کے تو قابل ہوں گے لیکن امت مسلمہ کی سربلندی کے لیے کوئی کردار ادا نہ کر سکیں گے ۔ کئی ممالک کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اپنے معاشرے میں انتشار پیدا کرنے اور اپنے مذہب کو ضعف پہنچانے کا سبب بنتے ہیں ۔

معاشرتی و تہذیبی چیلنج

اس چیلنج کے کئی پہلو ہیں لیکن ہم صرف دو پہلو زیر بحث لا رہے ہیں ۔ مغرب زدگی اور اسلامی شناخت کے تحفظ کے حوالے سے اس کے اثرات ۔ مغرب زدگی (westernization) اور جدید کاری (modernization) ہم معنی الفاظ نہیں ہیں ۔ دو سرا عمل تو مثبت اور مطلوب ہے لیکن پہلا اس وقت تنقید کا نشانہ بنتا ہے جب ہر اس نظریہ اور چیز کو قبول کرنا شروع کر دیا جائے جو مغرب سے آئی ہو ۔

قوم پرستی اور سرمایہ داری خصوصاً الحاد اور سیکولرزم ہماری ترقی کے راستے کی رکاوٹ ہیں ۔ قوم پرستی کا منشا یہ ہے کہ اپنے تمام حقوق قومی ریاست کے مفاد پر قربان کر دیے جائیں ۔ وہ مسلمان جو آج کل قومی ریاستوں میں رہایش پذیر ہیں اس خوفناک حقیقت سے خوب آگاہ ہیں ۔ اپنے وطن سے محبت کرنا اسلامی نظریات کی نفی نہیں ہے ۔ آنحضرتؐ نے خود فرمایا ہے کہ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے لیکن اپنے وطن ہی کو سب کچھ سمجھ لینا اور حکمرانوں کی ہر طرح اطاعت ہی کو سب سے اہم ذمہ داری سمجھ لینا کئی مسائل پیدا کر سکتا ہے ۔ ابن خلدون کے تصور 'عصبیہ' (قومی خودداری و یک جہتی کا احساس) کو تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن تعصب کو گوارا نہیں کیا جا سکتا ۔

سیکولرزم کے نظریے کے مطابق مذہب کا ریاست کے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہے ۔ اور انسانی مسرت کے لیے مالی خوش حالی سب سے اہم عنصر ہے ۔ اس لحاظ سے یہ سرمایہ داری کے قریب ہے ۔ سیکولرزم کا زور اس بات پر ہے کہ زیادہ سے زیادہ صلاحیت اور قابلیت حاصل کر لی جائے ۔ اس میں مذہب کو بالکل دیس نکالا دے دیا جاتا ہے ۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مذہب جدید دور اور ترقی کا ساتھ نہیں دے سکتا ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیکولرزم اسلام کی ضد ہے کیوں کہ اس میں خدا کے وجود وحی اور آخرت کا انکار ہے ۔ یہی معاملہ نظام سرمایہ داری کے ساتھ ہے ۔ اس میں بھی مفاد کو خدا کا درجہ دے دیا جاتا ہے ۔

آنے والے سالوں میں 'مذاہب کے احیا کے عالمی رجحان کے باوجود' قوم پرستی اور سیکولرزم زیادہ مضبوط ہو سکتے ہیں ۔ مسلمانوں کو اس چیلنج کا مقابلہ اس طرح کرنا ہے کہ وہ مذہب بیزار قوم پرست معاشروں میں باقی رہ سکیں اور استحکام اور مضبوطی حاصل کر سکیں ۔ غیر مسلم قوتوں نے عالمی

کنٹرول حاصل کر رکھا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے مغربی اقدار ہر معاشرے میں رائج ہو رہی ہیں۔ مسلمان اس عمل سے گزر رہے ہیں۔ آیندہ صدی میں یہ چیلنج شدید تر ہو جائے گا اور آنے والی نسلوں کے لیے اس کا تدارک زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ قوم پرستی' سیکولرزم اور سرمایہ داری کے لیے بھی راستے کھلے ہوئے ہیں۔

مسلم اکثریت کے خصوصاً خوشحال ممالک بڑی تیزی کے ساتھ سیکولر اثرات جذب کر رہے ہیں۔ مسلم اقلیتوں کا کیا حال ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے' خاص طور پر ایسے ممالک میں جہاں سیکولرزم کو آئینی جواز اور حکومتی سرپرستی حاصل ہے۔ اس صورت میں انھیں اپنے اسلامی تشخص کو اس طرح بچانا ہوتا ہے کہ اکثریت کی طرف سے ان کو ملیامیٹ کرنے کا کام شروع نہ ہو سکے۔ فرانس میں مسلم طالبات کے ساتھ حجاب کے مسئلے پر جو کچھ پیش آیا وہ ایک الگ تھلگ واقعہ نہیں ہے کیونکہ دنیا کے کوئی ممالک میں مسلمان اپنی اسلامیت کی بدولت اس طرح کے امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ عمومی طور پر ایک غیر مسلم کا اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو تصور ہے وہ بھی مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج ہے اور اس پر قرار واقعی توجہ کی جانی چاہیے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان غیر مسلم سیکولر ممالک میں ان ممالک کی نسبت زیادہ اچھی زندگی گزار رہے ہیں جہاں کا سرکاری اور تسلیم شدہ مذہب اسلام ہے۔ ان برائے نام اسلامی ریاستوں میں مسلمان علما اور مسلمان سیاسی لیڈر عموماً قید و بند اور تعذیب کا نشانہ بنتے ہیں۔ قرآن کی آیات کی غلط تشریح کر کے مسلمان عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے اور عام مسلمانوں کے لیے بھی دین کے مطابق زندگی گزارنے میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔

سیاسی چیلنج

سیاسی چیلنج کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مسلم گروہوں کی قیادت' اسلامی ریاست کے لیے جدوجہد اور ایک عالمی اسلامی قیادت کی فراہمی۔ تنظیموں' جماعتوں' قوموں' مذاہب اور دیگر اجتماعی معاملات میں قیادت کامیابی یا ناکامی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے قیادت کے تصور میں' ایمان و تقویٰ کی شرط' صلاحیت و قابلیت سے پہلے پوری ہونا ضروری ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ مسلم معاشروں میں ان دونوں صلاحیتوں کی حامل شخصیات عنقا ہیں۔ اس قابل رحم صورت حال کی ایک وجہ تعلیم کا نظام بھی ہے جس میں سے گزر کر لوگ عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مسلمان معاشروں کی قیادت یا ان روایتی مذہبی علماکرام کے ہاتھ میں ہے جو قدیم دینی علوم پر کامل دسترس رکھتے ہیں لیکن جدید دور کے مسائل حل کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے' یا سیکولر لیڈروں کے ہاتھ میں ہے اور وہ بھی ان مسائل کو کماحقہ سمجھنے اور ان کا حل نکالنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

نہ دین کی بنیادوں سے آگاہ ہیں نہ ان کا فہم رکھتے ہیں اور عملاً اس پر عمل پیرا ہیں اور نہ دین کا نفاذ ان کا مسئلہ ہے۔

دور جدید کے مسلمانوں کا ایک موجودہ اور مستقبل کا مسئلہ یہ ہے کہ قیادت میں جو دوئی پائی جاتی ہے اس کا حل تلاش کیا جائے۔ اس کا حل تعلیم کا ایسا انتظام ہے جس میں قائدانہ صلاحیت کے حامل علما اور سیکولر تعلیم یافتہ مل جل کر نئی نسل کو قیادت کے لیے تیار کریں۔

دوسرا بڑا سیاسی مسئلہ اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ علما کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ آیا مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ اسلامی ریاست قائم کرنے کے پابند ہیں، یا نہیں ہیں۔ تاہم اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان ایک مثالی زندگی صرف اور صرف ایک حقیقی اسلامی ریاست ہی میں گزار سکتے ہیں، کہیں اور نہیں۔

اس سلسلے میں چند اور امور بھی سمجھ لینے ضروری ہیں۔ اسلامی ریاست کو وجود میں لانے کے لیے موجودہ مسلم حکومتیں ایک طرز عمل اختیار کر سکتی ہیں۔ تاہم جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یا جہاں سیکولر نظام زندگی رائج ہے، وہاں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ دوم، اسلامی ریاست قائم کرنے کا کام ارتقائی اور بتدریج ہونے والا کام ہے کیونکہ ایک اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے ریاست کی سماجی بنیاد اور تہذیبی ساخت اس کے لیے موزوں ہونا ضروری ہے۔ اگر مذکورہ شرائط کے بغیر اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش کی گئی تو ملک میں انتشار پھیلے گا۔ سوم، عوام اور قیادت کے درمیان اسلامی ریاست کی غرض و غایت اور افعال کے بارے میں کامل یکسوئی اور فکری یکجہتی پائی جانی چاہیے تاکہ بعد میں مختلف تعریفوں کی بنیاد پر مختلف دھڑے تشکیل نہ پائیں اور اسلامی ریاست کے نام پر ہی جھگڑے فساد جنم نہ لیں۔ چہارم، اگرچہ ہمارے پاس آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کے دور میں ایک مکمل اسلامی ریاست کا کامیاب نقشہ موجود ہے تاہم یہ فراموش نہیں کیا جانا چاہیے کہ اس پر ۱۴سو برس گزر چکے ہیں اور ہمیں نئے حالات میں اسلامی ریاست کی راہ ہموار کرنی ہے۔

ہم سیاسی چیلنج کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والے دنوں میں اسلامی احیا کے ساتھ ساتھ یہ رجحان بھی جنم لے کہ کیوں نہ مسلم دنیا ایک نئی قیادت کے زیر اثر آجائے یعنی پان اسلام زم کا نعرہ عملی شکل اختیار کرے۔ اگلی صدی میں یہ بھی ممکن ہے کہ اسلامی ریاستوں کا وفاق تشکیل پا جائے اور اکیسویں صدی میں متحدہ طور پر اپنے کردار کا تعین کرے۔ اکیسویں صدی کے حوالے سے ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا ہو گا کہ دنیا بھر میں قومی ریاستیں بنانے کا رجحان (اسلامی ریاستوں میں بھی) ہے۔ دوسرے ممالک کی نسبت اسلامی ممالک کا اقتصادی اور فوجی لحاظ سے کمزور ہونا، ایک عالمی اسلامی خلافت کے احیا کا عدم امکان، وغیرہ کو نئے عالمی نظام کی تشکیل سے قبل ضرور زیر غور لانا

ہو گا۔

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا چیلنجوں کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ اس کے لیے ہم جو تصور پیش کر رہے ہیں اسے "ہجری نظریہ" کہہ سکتے ہیں کیونکہ آنحضرتؐ کی ہجرت مسلمانوں کے لیے غیر معمولی قدر و قیمت کی حامل ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوا تھا۔

الف۔ مسلمان ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں جو اسلامی افکار اور اسلامی کردار سے متصادم ہو۔ ب۔ ہجرت کے نقطہ کو آنحضرت کے مکہ سے مدینہ تک پہنچنے کے عمل سے محدود نہ کیا جائے۔ ہجرت سے مراد مسائل سے فرار یا اسلام کے بارے میں مدافعانہ رویہ اختیار کرنا نہیں ہے۔ ج۔ ہجری طرز عمل سے مراد بہتر زندگی کے حصول کی مسلسل کوشش ہے۔ د۔ مذہبی اور جغرافیائی اختلافات کے علی الرغم، تمام خیالات، معلومات اور مہارات کے بارے میں دیکھا جائے کہ اس کو جدید حالات میں ڈھالا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ر۔ مسلمانوں کے درمیان زیادہ اتفاق، اتحاد اور یک جہتی کے حصول کے لیے چاہیے کہ وہ اپنے طرز عمل میں لچک پیدا کریں اور ان تفرقوں سے نجات حاصل کریں جو آج کے دور میں مسلمانوں کی شناخت بن چکے ہیں۔ س۔ دلیل پسندی، ترجیح پسندی، انصاف پسندی اور مبنی بر حق رائے بھی وہ نکات ہیں جن پر عمل پیرا رہنا ضروری ہے۔

(Hussin Mutalib : Islamic Resurgence and the Twenty- First Century: Redefining Old Agendas in a New Age. The American Jounnal of Islamic Social Sciences vol13 Number1 Spring 1996. P.88-99)

اخبار امت

چین، مسلمان اور دنیا کا مستقبل

مسلم سجاد

چین کے مغربی علاقے میں لن یا (Linxia) میں میلاد النبیؐ کی تقریبات منائی جارہی تھیں۔ چنگ جیاؤ (Chengjiao) مسجد میں ۲ ہزار نمازی جمع تھے۔ جمعہ کو ایک ہزار ہوتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کی آواز سارے علاقے میں گونج رہی تھی۔ مقامی چینی زبان میں تشریح بھی کی جارہی تھی۔ تین گائیں ذبح کی گئی تھیں۔ عورتوں نے چار دن کی محنت سے ۲۰ ہزار نان تیار کیے تھے جو مسجد کے ساتھ کمروں میں رکھے تھے۔ شہر میں ۴۰، اور علاقے میں ۱۷سو مساجد ہیں، مرد سفید ٹوپیاں (Skullcaps) یا صافے پہنتے ہیں اور عورتیں اپنی عمر اور شادی شدہ ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے سفید سبز یا سیاہ دوپٹے سے سر ڈھک کر رکھتی ہیں۔ چین میں خوش حالی آنے سے اس علاقے میں بھی خوشحالی آئی ہے۔ یہ شہر تجارتی مرکز ہے اور چینی مسلمان بالعموم تاجر ہیں۔ مساجد کی مالی حیثیت بھی خوب مستحکم ہے۔ ایک مسجد کے منتظم کے مطابق بعض تاجر آمدنی کا ۲۵ فی صد دیتے ہیں۔ اسے چین کا مکہ کہا جاتا ہے۔ (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون، ۲ ستمبر ۹۶)

چین کے دو کروڑ مسلمان چین کی آبادی کے ۲ فی صد سے بھی کم ہیں، مغرب میں سنکیانگ (Xinjiang) Ningxia اور Qinghai اکثریتی علاقے ہیں، خاص چین میں بھی مسلمان آبادیاں ہیں، جنوب میں ینان (Yunan) جہاں خلیج بنگال سے تجارتی راستے آتے ہیں اور شمال میں کانسو (Kansu) اور شن سی (Shensi) جہاں شاہراہ ریشم چین میں داخل ہوتی ہے۔

سنکیانگ تاریخی طور پر مسلم علاقہ ہے۔ دراصل یہ مشرقی ترکستان ہے۔ وسط ایشیا کے نو آزاد ممالک قازقستان، کرغیزستان اور تاجکستان اس سے متصل ہیں۔ پاکستان بھارت اور روس کی سرحدیں بھی اس سے ملتی ہیں۔ یہ وسیع علاقہ چین کا چھٹا حصہ ہے۔ چین کی ایٹمی تجربہ گاہ بھی اسی علاقے میں ہے۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ آبادی میں تقریباً چالیس فی صد ہان نسل کے چینی ہیں جو لاکر آباد کیے گئے

ہیں۔

چین میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعے پہلی دوسری صدی ہجری میں پہنچ گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی کے عہد میں سفارتی تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ اموی دور میں مملکت کی حدود چین سے مل گئی تھیں۔ ۴،۵ سو برس بعد فتح تاتار کے عہد میں اکثر صوبوں میں مسلمانوں کی آبادیاں تھیں۔ ابن بطوطہ نے چین کے ساحلی شہروں میں ہر جگہ مسلمانوں کو معزز و ممتاز پایا۔ ۱۶ویں صدی کے ایک سیاح کے مطابق مسلمانوں کی آبادیاں سب سے زیادہ شاندار اور پاکیزہ اور مساجد سے معمور ہیں۔ ۱۸ویں صدی کے آخر میں چین کا شہنشاہ اپنے صرف سے شاندار مسجد تعمیر کرواتا ہے' ۱۷۷۰ میں زنگاریاں کا پورا صوبہ اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ۱۹ویں صدی کے اوائل تک مسلمان چین میں امن سے زندگی گزار رہے تھے لیکن پھر حکومت کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ سخت ہوجاتا ہے اور کشمکش کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ ۱۸۲۰ تا ۱۸۲۸' ۱۸۴۷' ۱۸۵۷' اور ۱۸۶۱ مانچو حکومت کے خلاف جدوجہد اور مزاحمت کے سال ہیں۔ ۱۸۶۳ سے ۱۸۷۷ تک یوسف بیگ کے زیر قیادت سنکیانگ میں اسلامی حکومت قائم رہتی ہے۔ ینان کے علاقے میں بھی ایک چینی عالم مجاہد سلطان سلیمان کی ۱۶ سال (۱۸۵۶ سے ۱۸۷۲) حکومت رہی۔

۱۹۴۴ میں دوسری جنگ عظیم کے موقع پر چینی ترکستان کے مسلمانوں نے علیحدہ مملکت کے قیام کا اعلان کیا۔ ماؤزے تنگ نے آزادی دینے کا وعدہ کیا تھا جو پورا نہ ہوا۔ ان علاقوں کو خصوصی حیثیت دینے پر اکتفا کیا گیا۔ اشتراکی دور میں مسلمانوں پر بڑے سخت وقت آئے۔ ثقافتی انقلاب میں بھی مسلمان خصوصی طور پر نشانہ ستم بنائے گئے۔ ۱۹۷۸ میں ڈینگ یاؤپنگ کا دور شروع ہونے پر کچھ آزاد فضا میسر آئی۔

سویت یونین کے زوال کے بعد وسط ایشیا میں آزاد مملکتوں کے قیام اور پوری دنیا میں احیائے اسلام کی لہر نے چین کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی ہے۔ ۱۹۹۳ میں مظاہرے ہوئے ہیں۔ حکومت چین نے اسے علیحدگی (Splittism) قرار دے کر اس سے نبٹنے کی تدابیر اختیار کی ہیں۔ سنکیانگ کے جنوب مغرب میں ہوتان میں ۲۰۰ مسلمان گرفتار کیے گئے ہیں۔ ایک اخبار کے مطابق ۱۰۰ دن کی مہم ان مذہبی سرگرم افراد اور مدرسوں کے خلاف تھی جو مذہبی عقائد کی تعلیم اور فوجی تربیت دے رہے تھے۔ ۱۱۹ اسکول بند کر دیے گئے اور ۹۸ افراد گرفتار کر لیے گئے۔ چینی حکومت کے ذرائع کے مطابق گزشتہ سال سنکیانگ میں ۱۷ سو مشتبہ دہشت گرد گرفتار کیے گئے۔ پولیس سے ایک مقابلے میں ۹ مسلمانوں کی جانیں گئیں۔ اب مساجد کی تعمیر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ سنکیانگ کے مسلمان مقامی کارخانوں میں ہان نسل کے چینیوں کو لانے کے شاکی ہیں، جس سے نہ صرف مقامی

وسائل باہر منتقل ہو جاتے ہیں بلکہ آبادی کا تناسب بھی متاثر ہوتا ہے۔

جون جولائی میں چینی صدر زیامن نے قازقستان' کرغیزستان اور ازبکستان کا دورہ کیا۔ یہاں کے حکمران ماسکو کے وفادار سابق کیمونسٹ رہنما ہیں۔ جمہوری حقوق کی جدوجہد کرنے والے عوام ان کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ قازق صدر نذر بایوف سے سمجھوتے میں علیحدگی کا مقابلہ کرنے میں باہم تعاون کا ذکر سنکیانگ کا نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس نوعیت کے معاہدے دوسری وسط ایشیائی ریاستوں سے بھی کیسے گئے ہیں۔

عالمی منظر میں چین کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں ترقی کی رفتار غیر معمولی (۱۳ فی صد) ہے۔ ایک پوری دنیا پر نئی دنیائیں کھل رہی ہیں۔ ایک ارب افراد کی منڈی پر مغرب و مشرق سب کی نگاہ ہے۔ عالمی طاقتیں چین سے معاملات درست رکھنے کو اہمیت دے رہی ہیں۔ انھیں سے بجا اندیشہ ہے کہ اگر مسلمان ممالک کا اقتدار قومی مقاصد کو عزیز رکھنے والوں کے ہاتھ میں آگیا اور ان کا اور چین کا باہم اشتراک ہوگیا تو نئی صدی ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ چینی رہنماؤں کو بھی مستقبل کا احساس ہے۔ انھیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اپنے ملک میں مسلمانوں کے ساتھ ان کی جو پالیسی ہوگی' مسلم ممالک کے عوام سے ان کے تعلقات پر اثر انداز ہوگی۔ مسلمان یہ ضرور جاننا چاہتے ہیں کہ ان کے بھائیوں پر چین میں کیا گزر رہی ہے۔ اچھی خبریں اچھے اور خوشگوار جذبات پیدا کرتی ہیں۔ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے چین میں مسلمان کنفیوشسی معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر رہ سکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک دعوتی گروہ ہیں۔ ماضی میں ان کی زندگی ہی ان کے ہم وطن چینیوں کو اسلام کی طرف بلاتی رہی ہے۔ آنے والا دور آزادی اور جمہوری حقوق کا دور ہے۔ ایک دوسرے کو کچلنے یا ختم کرنے کے بجائے اپنی بات کہنے اور سمجھانے کی روایت کو مضبوط کرنا چاہیے۔ اسلام پر ترکی یا ہوائے نسل کا اجارہ نہیں ہے۔ ہان نسل کے چینی بھی اسلام کے اس طرح مخاطب ہیں جس طرح آج کی دنیا میں ستم رسیدہ کسی بھی ملک کے انسان۔ نوجوان سید مودودی نے ۱۹۲۵ میں الجمعیہ دہلی میں لکھا تھا: "بہت سے یورپی مشنریوں نے چین میں اشاعت اسلام پر جو مضامین لکھے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی سرزمین میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی کا راز مسلمانوں کی زندگی میں ہی پوشیدہ ہے' کیونکہ اسے دیکھ کر چینی لوگ ان کے گرویدہ بن جاتے ہیں اور گروہ در گروہ ان کا مذہب قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ بہت سے مبصرین نے تو اسی بنا پر یہ حکم لگایا ہے کہ عن قریب سارا چین مسلمان ہو جائے گا اور اس سے مشرق اقصیٰ کی سیاست ایک نیا روپ اختیار کرے گی۔ چنانچہ ڈاکٹر مارٹن صاف الفاظ میں لکھتا ہے: مسلمانوں کو ایک نہ ایک دن چین کا حکمراں بننا ہے--------- بہت ممکن ہے کہ ہماری موجودہ نسلیں ہی اس ساعت منتظرہ کو دیکھنے میں کامیاب ہو جائیں جب مشرق اقصیٰ سے اسلام کا

آفتاب ایک نئی شان کے ساتھ نمودار ہوگا اور تمام عالم مشرق کا نقشہ بدل جائے گا"

اگر آج ہیرالڈ ٹریبون چین میں مکہ پھلنے پھولنے کی خبر دے رہا ہے (In China,s Far West, a'Mecca' flourishes) تو اسے کسی آنے والی سحر کا طلوع کیوں نہ سمجھا جائے۔

ماخذ:

۱۔ صدائے رستاخیز: سید ابوالاعلیٰ مودودی 'ادارہ معارف اسلامی لاہور

۲۔ انٹرنیشنل 'ہیرالڈ ٹریبون' ۳ ستمبر ۱۹۹۶

۳۔ امپکٹ انٹرنیشنل 'لندن 'اگست ۱۹۹۶

۴۔ کریسنٹ انٹرنیشنل 'اگست ۱۹۹۶

۵۔ جرنل انسٹی ٹیوٹ آف مسلم مائنارٹی افیرز ' جولائی ۱۹۹۰

مطالعہ کتاب

تحریک نسواں۔ایک مطالعہ

سلیم منصور خالد

WOMEN IN FEMINISM AND POLITICS: New Directions Towards Islamization.

ڈاکٹر زینت کوثر۔وومنز افیرز سیکریٹریٹ ' انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی ' ملائیشیا۔ پوسٹ بک نمبر ۷۰' جالان سلطان (۱۹۹۵)۔صفحات : ۱۱۹۔

عورت کو بحیثیت عورت اس صدی کا دلچسپ موضوع بنا دیا گیا ہے ' جب کہ "عورت اسلام میں" عصر حاضر کا وہ موضوع ہے ' جسے اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے تمام عناصر بڑی مرغوبیت سے اپنی نشانہ بازی کے لیے چنتے ہیں۔المیہ یہ ہے کہ مقامی رسم و رواج کے بندھنوں میں جکڑی اور اسلام کے چشمہ صافی سے دور کردہ مسلمان عورت کے لیے عام طور پر ہمارا مذہبی طبقہ آگے نہ بڑھا' اور اگر بڑھا بھی تو دو رویئے سامنے آئے: غیر حکیمانہ انداز یا اپنے خلاف گواہی۔یوں اسلام دشمن قوتوں نے سمجھ لیا کہ "عورت اور اسلام" واقعی مسلمانوں کا کمزور ترین محاذ ہے۔اس طرح اسلام پر براہ راست حملے کے بجائے پچاس فیصد مسلم آبادی یعنی عورت کی ہمدردی جیتنے اور اسے اسلام سے بے زاری کا سبق دینے کے لیے ایک "سرد جنگ" کا آغاز کیا گیا ہے۔آج اسلام پر فکری اور ابلاغی حملے کا ایک ہدف "مسلمان عورت" ہے۔

اسلام میں عورت کی پوزیشن کی وضاحت کے لیے مسلمان اہل علم حضرات میں سے مولانا ابوالکلام آزاد' علامہ اقبال' سید ابوالاعلیٰ مودودی' سید جلال الدین عمری وغیرہ نے گراں قدر تحریریں مہیا کیں۔مگر مسلمان دانش ور خواتین کی جانب سے اس محاذ پر راست فکری کے ساتھ کمک پہنچانے کا سلسلہ بہت کمزور رہا۔اب یہ کمی دور ہو رہی ہے جس کی قابل ذکر مثال زیر تبصرہ کتاب کی فاضل مصنفہ ڈاکٹر زینت کوثر ہیں۔یہ فکر و نظر میں اسلامی روح سے سرشار اور تحقیق و تالیف میں جدید ترین اسالیب سے باخبر ہیں۔عثمانیہ یونی ورسٹی حیدر آباد سے گریجوایشن اور علی گڑھ یونی ورسٹی سے سیاسیات میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد ان دنوں انٹرنیشنل اسلامی یونی ورسٹی ' ملائیشیا میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں۔

اگر چہ ان کی سپشلائزیشن علم سیاسیات میں ہے، تاہم ذاتی شوق و جستجو سے انھوں نے اسلامی علوم میں درک حاصل کیا ہے، جس کا ثبوت مصنفہ کی مختلف کتب اور تحقیقی مقالے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں FEMINIST تحریک اور سیاسیات کا اسلام سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مغرب کے سیاسی تصورات کا اسلامی فکر کی روشنی میں تجزیہ (ص ۱-۲۵) کرتے ہوئے مصنفہ نے: افلاطون، ارسطو، سینٹ آگسٹائن، سینٹ ٹامس اکویناس، ہابس، لاک، روسو، ہیگل، مارکس اور مائیکل فوکالٹ کے نظریات سے مصرعہ اٹھایا ہے۔ ان فلاسفہ کے افکار کو پیش کرکے، متقدمین اور معاصر مغربی فلسفیوں کی سوچ سے تقابل کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ: "کلاسیکی مغربی مفکرین کے نزدیک عورت، جذباتی، کمزور اور دانش و خوبی سے تہی دامن ہے، جب کہ ارسطو عورت کو مرد سے ہر اعتبار سے کم تر قرار دیتا ہے کہ فطرت نے اسے فہم اور استدلال کی دولت سے خالی بنایا ہے" (ص ۱۹) قرون وسطی کی دانش افرنگ کے مطابق: عورت ہی مرد کے زوال اور ذلت کا باعث ہے --------- سولھویں، سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے مغربی سیاسی افکار، عورت کو کوئی باوقار مقام دینے سے گریزاں ہیں --------اسی طرح جدید مغربی سیاسی تصورات میں ہیگل، عورت کو نامکمل اور کمزور فرد کہتے ہوئے، اسے کسی حکومتی منصب کے لیے اہل نہیں مانتا (ص ۱۹) البتہ جدید مغربی مفکرین میں فوکالٹ نے عورت کی کمزوری کے نظریے کو تسلیم نہیں کیا گویا کہ مغرب کی سیاسی فکر، جس میں کلاسیکی، قرون وسطی، جدید حتی کہ مابعد جدید زمانے کے افکار کا مجموعی نتیجہ ہے، عوامی زندگی خصوصا سیاسی کش مکش میں عورت فکری، جذباتی، جسمانی اور ہر نوعیت کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے کمزور اور کم تر مخلوق ہے" (ص ۲۴)۔

اس کے برعکس اسلام نے خلیفۃ اللہ کا تصور پیش کرکے مرد و عورت کی تفریق کو ختم کیا اور انسان کو اس اعلیٰ مقام کا حق دار ٹھیرایا۔ اسلام نے عورت کی جسمانی کمزوری کو تسلیم کیا ہے، مگر اس بنا پر عورت کو شرمندگی کا باعث یا مرد پر خواہ مخواہ کا بوجھ قرار نہیں دیا۔ زیادہ مشقت طلب کام مرد کو اور کم مشقت طلب کام عورت کو تفویض کیے ہیں" (ص ۲۰) پھر "اسلام نے عورت کو گناہ کی پوٹ اور مرد کے مصائب و زوال کا باعث بھی نہیں گردانا، بلکہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک جنس سے پیدا کیا ہے۔ اس فرمان الٰہی نے عورت کو مرد کے جسم سے پیدا کرنے کے روایتی مذہبی تصورات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے" (ایضا) اس پر مستزاد یہ کہ "اسلام نے مرد ہی کو عورت اور بچوں کی معاشی ذمہ داریوں کی ادائگی کا پابند ٹھیرایا ہے" (ص ۲۱) اور اس کے بالمقابل "مغرب میں عورت معاشی ذمہ داریوں کے بوجھ کی کفالت کے لیے مرد کو ذمہ داری سونپنے کی قانون ساز تحریکیں چلا رہی ہے" (ص ۲۰) "عورت خاندانی ذمہ داریوں کی ادائگی کے ساتھ ساتھ دیگر

حوالوں سے معاشرے کی اعانت کرنے کے لیے اگر اپنے آپ کو آمادہ اور فارغ پاتی ہے تو اسلام نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی، مگر یہ معاملات مرد، عورت اور بچوں کی قیمت پر نہیں، بلکہ ان کے فایدے اور باہم مشاورت سے طے ہونے چاہییں۔ اگر یہ امور باہم مشاورت سے انجام پائیں، تو گھر کا کام اور پیشہ ورانہ ذمہ داریاں" یا "دوہری ذمہ داریاں اور دوہری تنخواہ" جیسی غیر صحت مند بحث پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یوں عورت اگر گھر سے باہر کی ذمہ داریوں میں مرد کی اعانت کے لیے وقت نکالتی ہے، تو اخلاقی طور پر مرد بھی اس امر کا پابند ہے کہ وہ گھریلو نظم و نسق اور جملہ امور خانہ میں بیوی کا ہاتھ بٹائے اور اس سے بھرپور تعاون کرے" (ص ۲۳ اور ۱۰۹) "کیونکہ اسلام عورت کو گھر اور گھر سے باہر باوقار اور متوازن مقام عطا کرتا ہے" (ص ۲۴) اسلامی تعلیمات کے مطابق "بیوی بننے کا مطلب غلامی نہیں ہے، بلکہ مرد کو بیوی اور بچوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک کا پابند ٹھہرایا گیا ہے" (ص ۱۷)

فیمی نسٹ موومنٹ یا feminism کے لیے عام طور پر حریت نسواں یا آزادی نسواں کی تحریک کی اصطلاحیں معروف ہیں۔ اس ترجمے میں چونکہ خود بخود یہ مفہوم آجاتا ہے کہ عورت واقعی کسی سامراج کے ہاتھوں قید ہے، اس لیے اسے "آزادی" اور "حریت" کی ضرورت ہے۔ حالانکہ جب اس تحریک نسواں کی بانی اور لیڈر خواتین کے افکار کا جائزہ لیں تو بات دوسری سامنے آتی ہے۔ اس لیے تبصرہ نگار "فیمی نسٹ موومنٹ" کا ترجمہ "تحریک آوارگی نسواں" یا "تحریک قتل ممتا" کرنا ہی قرین انصاف سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں زیر مطالعہ کتاب کا دوسرا باب ثبوت کے لیے کافی ہے جس میں بڑی عرق ریزی سے "فیمی نسٹ موومنٹ" کے آغاز، مراحل اور افکار کو اختصار و جامعیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لبرل، مارکسی، جدید مارکسی، سوشلسٹ، قدیم سوشلسٹ، جدید سوشلسٹ، وجودی اور انقلابی فیمی نسٹ تحریکوں کی مفکر خواتین کی کتب سے ان کے خیالات من و عن پیش کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں اسی ترتیب سے ان افکار کو مکاتب فکر کی تقسیم کے ساتھ مختصراً بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:
عورت کو شادی بطور پیشہ اختیار کرنی چاہیے، یا پھر گھر سے باہر پیشہ منتخب کرنا چاہیے (ص ۴۵) اگر مرد اور عورت ناخواندہ ہیں اور ایک دوسرے کو اچھی طرح نہیں جانتے تو شادی بے دام عصمت فروشی ہے (ص ۴۵) عورت کی تاریخی شکست اس وقت ہوئی جب معاشی قوت پر مرد حاوی ہو گیا، اور قدر زائد کے طور پر طاقت مرد کو منتقل ہو گئی (ص ۴۶) شادی زندگی بھر کی بہت بڑی سودے بازی ہے، جو اپنی اصل میں طوائفیت ہے (ص ۴۶) "مانع حمل ٹکنالوجی اور اس نوعیت کی ادویات ہی عورت کو محکومی کی اتھاہ سے نکال کر خود مختاری کی شاہراہ پر گامزن کر سکتی ہیں ------ شادی تو عورت کی آزادی کو کچلتی اور زندگی کو بے مقصدیت کے گھاٹ اتار دیتی ہے ------ زوجیت اور ممتا، عورت

کی ذاتی نشوونما کو فنا کر کے رکھ دیتی ہیں ------- ایسے حیاتیاتی انقلاب کی اشد ضرورت ہے' جو خاندان اور توالد و تناسل کے موجودہ چلن کا خاتمہ کر دے" ص (۴۶) "عورت کے لیے حمل بربریت ہے اور ماں بننا تمام برائیوں کی جڑ ہے" (ص ۴۸) وغیرہ وغیرہ۔ "تحریک آوارگیٔ نسواں" کی علم بردار خواتین کے یہ افکار وہ انتہا ہیں' جن پر وہ رفتہ رفتہ انسانیت کو لے جانا چاہتی ہیں۔

مصنفہ نے ان تمام افکار کے بالمقابل اسلامی نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے (ص ۴۸ - ۶۶) عالمانہ شان کے ساتھ ایک ایک مغالطے اور ٹھوکر کا جائزہ لیا ہے۔ پھر قرآن' سنت' اسلامی افکار اور معاصر اسلامی مفکرین کی آرا کی روشنی میں ان سب نکات کا شافی تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں چند ایک پہلو سے تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تحریک نسواں کے جن قبیلوں کو پیش کیا گیا' ان میں اگر مسلم دنیا میں تحریک نسواں کی چیمپئن خواتین کے افکار کو بھی پیش کر دیا جاتا تو موزوں ہوتا' یوں "صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں" کے مصداق ان خواتین کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی۔ مصر' انڈونیشیا' بنگلہ دیش' ایران اور پاکستان میں اس سوچ کی حامل خواتین اور ان کی قیادت میں چلنے والی تحریکیں موجود ہیں۔

اسلام میں عورت کے سیاسی کردار' خصوصاً عورت اور ریاستی قیادت کے مسئلے پر بحث بڑی زور دار ہے۔ کلاسیکی اسلامی مفکرین اور ماہرین قانون کے ہاں اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ "خلافت یا حکومت اور ریاست کی سربراہی کا سزاوار مرد ہے" (ص ۵۴) مثال کے طور پر الماوردی نے خلیفہ کی اہلیت کے لیے جو سات بنیادی شرائط متعین کی ہیں ان میں جسمانی اعتبار سے مضبوطی' بہادری اور حوصلہ مند ہونا قرار دیا ہے' جو میدان جہاد میں بھی قیادت کر سکے (ص ۵۴) اسی طرح ابن خلدون نے خلیفہ کے لیے جو پانچ اہم شرائط مقرر کی ہیں' ان میں "پہلی شرط اجتہاد کی صلاحیت ہے' تاکہ خلیفۃ المسلمین علمی اعتبار سے دوسروں کا مرہون منت نہ ہو اور عزم و ہمت سے اقدام کر سکے۔ ان کے ہاں تیسری اور چوتھی صلاحیت جسمانی اعتبار سے مضبوطی اور شریعت کے نفاذ کے لیے جرات مندی ہے' مزید یہ کہ وہ بہادری سے میدان جہاد کی جملہ ذمہ داریاں ادا کر سکے" (ص ۵۴) وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپنے سے استنباط کرتے ہوئے ابن خلدون نے یہ متعین کیا ہے کہ "خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہونی چاہیے' اور امامت کے لیے سب سے پہلا قدم نماز کی امامت ہے" (ص ۵۴) "نماز اور جمعہ کی امامت خلیفۃ المسلمین کے لیے مخصوص کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت پر ریاستی قیادت کا بار نہیں آتا" (ص ۵۵) لیکن عورت کا نماز کی امامت نہ کرا سکنا اس کی کمزوری کی دلیل نہیں' بلکہ اس کی فطری اور حیاتیاتی مجبوری کا پاس و لحاظ ہے" (ص ۵۸) عورت کے جسمانی اور جذباتی حوالوں سے بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ،

سید ابوالاعلیٰ مودودی' حسن ترابی' اور جمال بدوی وغیرہ کی آرا کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "مرد اور عورت اگر دونوں میں اسلامی تصور قیادت کی خوبیاں موجود ہوں تو پھر بھی قیادت کا فطری جھکاؤ مرد کی جانب ہوگا" (ص ۵۸) مگر "عورت کی دانش و حکمت' معاملہ فہمی اور دور اندیشی سے امت اسلامیہ نے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلافت راشدہ تک بھرپور استفادہ کیا ہے' اور انھیں قابل احترام مقام عطا کیا ہے" (ص ۵۹) مرد اور عورت کے درمیان امتیاز کے مسئلے پر بحث کے دوران یہ بتایا گیا ہے کہ "مرد اور عورت میں "مساوات" کو "تشخص" کے حوالے سے کنفیوز کر دیا جاتا ہے ۔ اسلام صنفین کے تشخص کو مٹانے کا مخالف لیکن بحیثیت انسان ان کے مابین مساوات کا حامی ہے" (ص ۶۴)

"قومی قیادت اور سیاست میں عورت کے کردار" کے زیر عنوان (ص ۶۷-۸۹) چار لیڈر خواتین کا تذکرہ کیا ہے ۔ اس باب میں مہارت اور ژرف نگاہی سے ان کے بچپن' عائلی زندگی' سیاسی جدوجہد اور پھر تحریک نسواں کے بارے میں ان کے افکار پیش کیے ہیں ۔ ان خواتین میں فلپائین کی صدر کورازن اکینو' نکاراگوا کی صدر وائیلیٹاشامورو' اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر اور برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر شامل ہیں ۔ مذکورہ چاروں رہنما خواتین نے گھرداری کی ذمہ داریوں کا احترام' اور تحریک نسواں کے افکار اور ان کے حقیقی نعروں یعنی ممتا سے بیزاری' گھرداری سے اکتاہٹ اور مرد سے نفرت وغیرہ سے کامل بیزاری کا' اعلان کیا ہے ۔ (ص ۸۹) یہ بڑا دلچسپ اور سبق آموز باب ہے ۔ اچھا ہوگا اگر مسلم دنیا کی وزرائے اعظم میں سے بھی کسی ایک کو اس پینل میں شامل کر لیا جائے ۔ پاکستان' بنگلہ دیش' اور ترکی کے بعد اب انڈونیشیا میں بھی نسوانی قیادت کے خدوخال نکھر رہے ہیں ۔

کتاب کا آخری باب "روایتی اور مغربی ماڈل میں عورت اور خاندان دوراہے پر' اسلامی لائحہ عمل کی ضرورت" (ص ۹۱ - ۱۱۲) اس میں مسلمان معاشروں کی عورت کے حوالے سے بے عملی' جہالت اور مقامی رسم و رواج کی اسیری کے باعث جڑ پکڑنے والے امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ لائحہ عمل دیتے ہوئے بتایا گیا ہے : "خردمندی کو رواج دیا جائے" (ص ۹۱) "جاہلانہ تصورات سے آزادی حاصل کی جائے ۔ اس مقصد کے لیے تعلیم' علوم کی اسلامائیزیشن' امور خواتین کے مراکز مطالعہ کی تشکیل' فکر و دانش کی اسلامی تعمیر" (ص ۹۲ - ۹۸) "خاندان کی فاضلانہ تعلیم و تربیت" (ص ۹۸ - ۹۹) "گھریلو امور میں اسلام سے رہنمائی" (ص ۹۹) 'اقدام و عمل میں مشترک سوچ کی ضرورت" (ص ۱۰۰) ۔ سیکولرائزیشن کی پیدا کردہ الجھنوں کا حل بیان کرتے ہوئے "گھریلو کام" کی نئی تعبیر کا اہم سوال اٹھایا ہے (ص ۱۰۲ - ۱۰۷) "خواب گاہ سے باورچی خانے تک کے تمام امور کو اسلامی اخوت' ہمدردی اور ذمہ داری سے طے کیا اور انجام دیا جائے" (ص ۱۰۸-۱۰۹) پھر "گھروں

میں برپا ہونے والی "سرد جنگ" سے بچاؤ' اور دل کے لیے دل کی راہ تلاش کرنے کا اسلوب بتایا گیا ہے" (ص ۱۰۹ - ۱۱۰) "بچوں کی اسلامی تربیت کے لیے گھروں میں گول میز گفتگوئیں ' اور گھریلو سیمینار قسم کی سرگرمی کی طرف توجہ" دلائی گئی ہے (ص ۱۱۰ - ۱۱۲) یوں عورت کی زندگی میں پیدا ہونے والے المیے کو افکار' قومی سیاست ' خوش نما نعروں کو گھر کی سلطنت سے مربوط کر کے ' انسانی حیات اجتماعی کو خوش رنگ بنانے کا راستہ دکھایا ہے ۔ طبقاتی اور نفسیاتی فرق برپا کرنے والی اصطلاحات "گھریلو خاتون اور برسرروزگار خاتون" کو ایک مخصوص رجحان کا غماز قرار دیا ہے (ص ۱۰۰)

اپنی نوعیت کے اعتبار سے انگریزی میں یہ ایک منفرد کتاب ہے ۔ جس کا انداز نہ تو جذباتی ہے ' اور نہ جارحانہ یا سوقیانہ تنقید ہے ۔ استدلال میں جاذبیت ' اسلوب میں دلچسپی اور پیش کاری میں حسن و خوبی رچے بسے ہیں ۔ ایجاز و اختصار کے اس پارہ تحقیق میں تعصب نام کو بھی نہیں ۔ ہرچند کہ کتاب بھرپور ہے تاہم ان خوبیوں کے باوجود آیندہ ایڈیشن میں مندرجہ ذیل امور کو شامل کرنے پر غور کر لیا جائے تو بہتر ہوگا ۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال کی فکر کا حوالہ ملنا چاہیے تھا ۔ اسی طرح اسلام کی روشنی میں روح عصر کے شناوروں یعنی سید مودودی ' سید قطب شہید اور امین احسن اصلاحی کی فکر سے کماحقہ استفادہ میں بھی کمی ہے ۔ اسلامی سوچ کے تقابلی مطالعے میں مریم جمیلہ ' فاطمہ ہیرین ' بنت الاسلام اور زینب الغزالی کے ہاں رہنمائی کے خطوط موجود ہیں ۔ ایرانی انقلاب کے قائدین کے فکر و عمل سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔ مزید یہ کہ قاہرہ اور بیجنگ کانفرنس سے پیدا شدہ صورتوں کی سیاسی جہت کو بھی زیر بحث لایا جائے ۔ پھر "مسلم فیمی نسٹ" خواتین کے انداز فکر کی ' تضادات اور حکمت عملی کی تنقیح بھی ضروری ہے ۔ ان چند پہلوؤں پر توجہ کی ضرورت کے باوجود کتاب نے اپنے موضوع کو شافی جوابات کے ساتھ پیش کیا ہے ۔

مصنفہ نے مکتبی انداز تحقیق اختیار کرنے کے بجائے ' تخلیقی اور اطلاقی تحقیق کا میدان چنا ہے ۔ اپنی اس علمی کاوش میں وہ مغرب کی جارح فکر کے سامنے اذان بلالی بلند کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں ۔

یادرفتگان

قاری منہاج الدین انور مرحوم

حافظ محمد ادریس

۲۳ اگست ۱۹۹۶ بروز جمعۃ المبارک منصورہ میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفاتر کے تہ خانے میں دو قیمتی افراد پانی میں ڈوب کر جان بحق ہوگئے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ یہ تھے جناب قاری منہاج الدین انور ناظم دارالعروبہ اور جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی دفاتر کے چوکیدار حافظ ہدایت اللہ!

کئی گھنٹوں کی مسلسل بارش کا بے تحاشا پانی منصورہ میں اتنی بڑی مقدار میں جمع ہوگیا تھا کہ اہالیان منصورہ نے کبھی اس کا اندازہ کیا تھا نہ اس سے قبل اس کا تجربہ ہوا تھا ۔ پانی کے دلطلے کا راستہ بند کرنا ممکن تھا مگر تقدیر غالب ہے ۔ ہرانسانی تدبیر اسی وقت کارگر ہو سکتی ہے جب اللہ ایسا چاہے ۔

قاری صاحب اور حافظ ہدایت اللہ ضروری کاغذات اور فائلیں اٹھانے کے لیے نیچے اترے تھے ۔ تہ خانے میں جنوبی کمروں میں پانی چند فٹ تھا ۔ جب کہ شمالی کمرے پانی بھرچکے تھے ۔ اچانک شمالی کمروں کے بعد ان کے دروازے ٹوٹے اور پانی کے ریلے نے جنوبی کمروں کو بھی پانی سے بھردیا اور باہر نکلنے کا دروازہ بھی پانی کے زور سے بند ہوگیا ۔ باہر سے کارکنوں نے روشن دان توڑنے کی کوشش کی مگر وہ اس قدر تنگ ہیں کہ ان میں سے آدمی کا گزرنا بھی ممکن نہیں ہے ۔ پانچ چھ گھنٹے کی مسلسل تگ و دو کے بعد چار بجے پانی کی سطح صرف اتنی نیچی ہوئی کہ دروازوں میں سے داخل ہونے کا راستہ بن سکا ۔ نوجوان پانی میں اترے اور دونوں شہدا کے جسم ساڑھے چار بجے پانی سے باہر نکالے جاسکے ۔ ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے ۔ بعض نوجوان احباب کے صبر کے بندھن ٹوٹ ٹوٹ جاتے تھے مگر مسلسل صبر کی تلقین کا سلسلہ جاری تھا ۔ دونوں قیمتی جانیں اللہ کی راہ میں قربان ہوگئیں ۔ ہم بے بس تھے ۔ ہمیں اطلاع بھی اس وقت ملی جب یہ سارا سانحہ ہو چکا تھا ۔ اس پر جتنی بھی بحث کریں آخر کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قضا و قدر کے فیصلے غالب اور اللہ کا حکم اٹل ہے ۔

دو حفاظ ، دو قرآن : دارالعروبہ کے دفتر میں نادر تفاسیر قرآن ' حدیث اور علم الحدیث پر اعلیٰ پائے کی کتب ' فقہ ' تاریخ اور دیگر علوم کے قیمتی جواہر کثیر تعداد میں تھے ۔ ان سب کو جمع کرنے میں

امت کی عظیم ہستیوں 'مولانا مسعود عالم ندوی ؒ (دار العروبہ کے پہلے ' ناظم اور بانی)'مولانا عاصم الحداد' مولانا خلیل احمد الحامدی اور خود قاری منہاج الدین ؒ کا بڑا حصہ تھا' دار العروبہ میں مختلف ممالک میں چھپنے والے خوب صورت اور بیش قیمت مصاحف بھی تھے۔ مجھے اس حادثہ کی اطلاع قدرے تاخیر سے ملی تھی۔جب میں وہاں پہنچا تو تہ خانے میں جھانکتے ہوئے کہا:

"قرآن پاک کی اس لائبریری میں دو چلتے پھرتے قرآن بھی زیر آب آگئے ہیں"۔

مردم خیز خطے کا عظیم سپوت: چھتر ضلع مانسہرہ میں تقریبا چوالیس سال قبل ایک دینی گھرانے میں اس ہونہار سپوت نے آنکھ کھولی۔ والد محترم حاجی خان جی دینی و روحانی شخصیت ہیں۔ دنیا کے معاملات میں از حد مستغنی اور دین کے معاملات میں انتہائی حریص! منہاج الدین ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مسلسل سفر میں رہے۔ حصول تعلیم کے شوق نے اسے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہری پور اور راولپنڈی میں تعلیم کی پیاس بجھاتے ہوئے وہ گوجرانوالہ آئے۔ کچھ عرصہ یہاں پڑھتے رہے 'پھر علم و عرفان کے مرکز لاہور کا رخ کیا۔ لاہور میں جامعہ رحیمیہ میں قیام رہا۔ جامعہ مدنیہ سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ ۱۹۷۶ میں منہاج الدین مرحوم نے علما اکیڈمی منصورہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں مولانا گلزار احمد مظاہری ؒ نے ان کو خوب سنوارا اور نکھارا۔ سند فراغت بھی ملی اور تحریک اسلامی سے قریبی تعلق بھی قائم ہوا۔

جمعیت طلبہ عربیہ: جمعیت طلبہ عربیہ دینی مدارس کی وہ تنظیم ہے جو تفرقہ بازی سے بالاتر اور مسالک کی قید سے آزاد ہو کر اسلامی نظام کی داعی اور اخوت و محبت کی علمبردار ہے۔ قاری منہاج الدین جمعیت طلبہ عربیہ کے دوسرے منتظم اعلیٰ تھے اور تقریبا اڑھائی برس اس منصب پر فائز رہے۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران میں بھٹو کی آمرانہ حکومت نے مسلم مسجد لاہور میں نمازیوں پر جو شرمناک تشدد کیا تھا' اس کا نشانہ قاری منہاج الدین بھی بنے۔ انھیں شدید زخمی کر کے پولیس نے مسجد سے نیچے بازار میں پھینک دیا۔ ان کی ایک آنکھ بھی اس موقع پر زخمی ہو کر راہ خدا میں کام آگئی' مگر ان کی ہمت و عزیمت نے آمر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

دار العروبہ کو قائم ہوئے نصف صدی بیت گئی ہے۔ مولانا خلیل حامدی ؒ نے نوجوان منہاج الدین کی اعلیٰ صلاحیتوں کو بھانپ کر ادھر ادھر جانے سے قبل انھیں دار العروبہ میں لے لیا۔ غالبا ۱۹۷۸ میں انھوں نے اس شعبے میں کام شروع کر دیا تھا۔

جنتی انسان اللہ کے نبی ؐ نے اہل جنت کی جو صفات بیان کی ہیں میری ناقص معلومات کی حد

تک وہ تمام قاری منہاج الدین کے اندر موجود تھیں۔ انسان ہونے کے ناطے نقائص اور کمزوریاں بھی ہو سکتی ہیں مگر خوبیوں کا پلڑا بھاری تھا۔ وہ ہر وقت مسکراتے چہرے کے ساتھ دوستوں سے ملتے، مہمان نواز اور فیاض تھے، دوستوں کے غم میں شریک اور ان کی خوشیوں میں شامل رہتے۔ ان تھک کارکن تھے۔ کبھی کسی وقت، کام کے دباؤ اور ہنگامی صورت حال میں بھی نہ حوصلہ ہارتے، نہ غصے اور جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے۔ سختی کا جواب نرمی سے اور درشتی کا بدلہ خندہ پیشانی سے دیا کرتے تھے۔ بلاشبہ بعض اوقات روزانہ بیسیوں مہمان دنیا کے مختلف ملکوں سے آتے مگر مجال ہے جو قاری منہاج نے کبھی خدمت میں کوتاہی کی ہو یا کام کی زیادتی کا رونا رویا ہو، ہم خود ان کو دیکھتے تو ان پر رحم آتا مگر وہ مرد درویش، بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تصویر بنا کام میں جتا رہتا۔ وہ بڑے خوبیوں کا مالک تھا!

اس کا بچھڑ جانا صدمہ بھی ہے، پریشانی بھی، حیرت بھی ہے اور نہ بھولنے والا غم بھی! اللہ تعالیٰ کے لیے تو مشکل نہیں کہ وہ نعم البدل عطا فرما دے، مگر ہمیں تو خلا ہی نظر آتا ہے۔

ہمہ صفت انسان: دارالعروبہ میں دنیا بھر کے مہمانوں کی آمد کے علاوہ مختلف پراجیکٹ کے لیے فنڈز کا حصول، کاموں کی نگرانی، محسنین کو رپورٹیں اور اطلاعات بہم پہنچانے کے کام، کے علاوہ بے شمار ذیلی شعبے قائم ہیں۔ قاری منہاج الدین ان تمام شعبوں کا کام بحسن و خوبی کرتے تھے۔ کبھی حرف شکایت ان کی زبان سے نہیں سنا۔

سید مودودی انسٹی ٹیوٹ کے کاموں میں قاری منہاج الدین مرحوم نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔ طلبہ کے داخلوں سے لے کر بیرون ملک سے ان کے لیے مالی معاونت کے حصول، ویزوں اور پاسپورٹوں کے معاملات میں رہنمائی اور غیر ملکی اساتذہ کے حصول کے کام میں معاونت غرض جو کام پڑا ہم نے ان کو ہر وقت مستعد پایا۔

صلہ رحمی کا نمونہ: قاری منہاج الدین ایک اعلیٰ پائے کے مسلمان، ایثار کیش دوست اور صلہ رحمی کی مکمل تصویر تھے۔ اپنے عزیز و اقارب، رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کے غم میں شریک رہتے، ان کے مسائل و مشکلات کو اپنے ذاتی مسائل سمجھتے، خود تنگی برداشت کر لیتے مگر کسی عزیز کو بوقت ضرورت بے یار و مددگار نہ چھوڑتے۔ ایک بیوہ بہن اپنے تین یتیم بچوں کے ساتھ ان کے پاس مقیم تھی۔ بہن کے بچوں سے ویسی ہی محبت و شفقت کرتے جیسے اپنے بچوں سے کرتے۔ ان کی وفات پر اخبارات میں یہی چھپا کہ اپنے پیچھے چھ یتیم بچے چھوڑ گئے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں چھ نہیں نو بچے چھوڑ کر رخصت ہوئے ہیں۔ گھر سے باہر معلوم نہیں کتنے یتیم بچوں کو ان کی وساطت سے امداد مل رہی تھی۔

منہاج مرحوم کی آخری بات: ۲۲ اگست کو نماز عشا کے بعد قاری منہاج الدین مرحوم نے مجھ سے پوچھا: کل کیا پروگرام ہے؟ میں نے عرض کیا "ساہیوال جارہا ہوں۔" پوچھنے لگے "واپسی کب ہوگی؟" میں نے کہا "رات کو تاخیر سے آؤں گا یا اگلی صبح آجاؤں گا۔" کہنے لگے "اگلی صبح نہیں' رات ہی کو ضرور آجائیں۔ اگلے روز ہفتہ کو صبح ۹ بجے اقبال ٹاؤن میں درس قرآن ہے۔ ہمارے دوست' ریاض (سعودی عرب) سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی بہن کا انتقال ہوگیا تھا ان کی اور میری خواہش ہے کہ آپ درس قرآن دیں ------" میں نے کہا "ان شاء اللہ رات ہی کو آجاؤں گا------"

یہ ان سے آخری گفتگو تھی۔ اگلی صبح سانحہ رونما ہوگیا۔ عشا کی نماز کے بعد جامع منصورہ میں قاضی حسین احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اقبال ٹاؤن کے قبرستان میں رات ساڑھے دس بجے اس خوب صورت انسان کو منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حافظ ہدایت اللہ مرحوم: ۲۰ سالہ حلیم الطبع' خاموش مزاج اور عبادت گزار نوجوان حافظ ہدایت اللہ بھی قاری منہاج الدین صاحب کے ساتھ جان کی بازی ہار گیا۔ میں اسے مرکزی دفاتر کے دروازے پر ڈیوٹی دیتے ہوئے دیکھتا یا کبھی منصورہ کے (مشرقی) مین گیٹ پر بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن مجید میں مشغول پاتا۔ یہ نوجوان خاموش طبیعت اور نہایت متواضع و مودب ساتھی تھا۔ مجھے اس کی شہادت کے بعد پتہ چلا کہ وہ بھی حافظ قرآن تھا۔

ضلع صوابی کے قصبہ شیوہ کا رہنے والا یہ نیک دل نوجوان ۵ مارچ ۱۹۹۶ کو یہاں آیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "میری تمنا ہے کہ منصورہ میں دینی ماحول اور قرآنی فضا سے استفادہ کروں اور قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کی کوشش کروں" جیبی سائز کا قرآن مجید اس کے ہاتھ میں رہتا تھا اور وہ فارغ اوقات میں تلاوت ہی میں مصروف رہنے کا عادی تھا۔ نماز مغرب کے بعد جامع منصورہ میں حافظ ہدایت اللہ شہید کی نماز جنازہ قاضی حسین احمد صاحب نے پڑھائی اور اس کا جسد خاکی صوابی روانہ کر دیا گیا۔

- حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ڈوب کر جاں بحق ہونے والے کو دو شہیدوں کا درجہ ملے گا۔" (ابو داؤد)
- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اکرمؐ سے سنا "راہ خدا میں قتل ہو جانا بھی شہادت ہے اور ڈوب کر مرنے والا' پیٹ کی بیماری سے جاں بحق ہونے والا' طاعون سے ہلاک ہونے والا اور بچے کی ولادت کے وقت مرجانے والی خاتون بھی شہادت کا درجہ پاتے ہیں" (مسند احمد)

رسائل و مسائل

نکاح میں لڑکی کی مرضی

ایک لڑکی کی منگنی اس کے کزن کے ساتھ ہوگئی ہے۔ لڑکا اسے پسند نہیں۔ ماحول بھی بدعت اور رسوم کا حامل ہے۔ جاہلانہ خیالات ہیں۔ اسے اپنے والدین سے محبت ہے۔ اس وجہ سے وہ بظاہر رضامند ہوگئی مگر دل راضی نہیں ہے۔ وہ پوچھتی ہے کہ وہ کیا کرے؟ کیا وہ اپنے اہل خانہ کو اپنی مرضی سے آگاہ کر دے اور اس رشتے سے انکار کر دے۔ اس طرح وہ والدین کی نافرمانی کی گناہ گار تو نہ ہوگی یا پھر دین اسلام یہ کہتا ہے کہ وہ والدین کی مرضی کے سامنے بلاچوں وچرا سرخم کر دے۔

اگر لڑکی کو وہ لڑکا پسند نہیں ہے جس کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی ہے تو اپنی مرضی سے اہل خانہ کو آگاہ کر سکتی ہے اور منگنی ختم کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ حق اسے اللہ کے رسولؐ نے دیا ہے بلکہ اگر لڑکا دینداری اور کردار کے اعتبار سے بگڑا ہوا ہو تو اس صورت میں تو لڑکی کا انکار قابل تعریف اور لائق تحسین ہے۔ لیکن لڑکی کو کسی وقتی ناراضی اور جذبات پر مبنی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ پورے غور و فکر اور سوچ سمجھ کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے' اس لیے کہ والدین عام طور پر اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں اور ان کے بدخواہ نہیں ہوتے۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا باپ ہوگا جو اپنی بیٹی اور بیٹے کے مستقبل کو برباد کرنا چاہتا ہو۔ بہرحال اگر اس نے پورے غور و فکر کے بعد منگنی توڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اپنے اس فیصلے سے والدین کو آگاہ کر دے۔ احادیث صحیحہ سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے بالغ عورت کی رضامندی شرط ہے۔ اگر مطلقہ یا بیوہ ہو تو زبان سے یا اشارے سے واضح طور پر رضامندی کا اظہار ضروری ہے اور اگر کنواری لڑکی ہو (باکرہ) تو اس کی خاموشی بھی کافی ہے۔ بشرطیکہ یہ خاموشی شرم کی وجہ سے ہو کسی قسم کے جبر و اکراہ' خوف اور رواج کی مجبوری کی وجہ سے نہ ہو' اس لیے کہ اصل چیز دل کی رضامندی اور خوشی ہے۔ منگنی تو نکاح نہیں ہے بلکہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان صرف ایک نسبت ہے اور معاہدہ ہے جسے ختم کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورت کی رضامندی کے بغیر کیے گئے نکاح کو بھی ختم کرنے کا اختیار عورت کو دیا ہے خواہ وہ بیوہ ہو یا کنواری ہو۔

۱۔ خنساء بنت خذامؓ ایک بیوہ صحابیہ تھیں۔ ان کے باپ نے ان کا نکاح ایسے شخص کے ساتھ کر

دیا تھا جسے وہ پسند نہیں کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر پہنچ گئیں اور آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا" (کالعدم قرار دے دیا) (بخاری)

۲۔ اسی طرح ایک باکرہ یعنی کنواری لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے ایسے لڑکے کے ساتھ کر دیا تھا جس کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ جب رسول اللہؐ کے پاس آئی تو آپ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا کہ تم اگر چاہتی ہو تو یہ نکاح ختم (کالعدم) کر دیا جائے گا۔

۳۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ نسائی میں نقل ہوا ہے کہ "ایک لڑکی' ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میرا نکاح کر دیا ہے جسے میں پسند نہیں کرتی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم رسول اللہؐ کے آنے تک ٹھہر جاؤ۔ جب آپؐ تشریف لائے تو اس لڑکی نے اپنی بات بیان کی۔ اس پر آپؐ نے اس کے باپ کو بلایا اور لڑکی کو اختیار دے دیا کہ جیسا چاہے کر لے۔ اس پر لڑکی نے کہا کہ میرے باپ نے جو کیا ہے میں اسے تسلیم کرتی ہوں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کو نکاح کے بارے میں کوئی اختیار حاصل ہے یا نہیں؟" (سنن نسائی)

درج بالا صحیح احادیث رسولؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت خواہ بیوہ ہو' مطلقہ ہو یا کنواری ہو جب وہ آزاد' عاقل اور بالغ ہو تو اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہ باپ دادا اس کا نکاح کروا سکتے ہیں' نہ دوسرے وارث کروا سکتے ہیں اور نہ اس کے وکیل کروا سکتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو لڑکی اسے کالعدم بھی کروا سکتی ہے اور بحال بھی رکھ سکتی ہے۔ البتہ اگر نکاح کی اطلاع ملنے پر اس نے ایک مرتبہ اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہو تو اس کے بعد یہ نکاح ختم نہیں ہو سکتا الا یہ کہ شوہر مر جائے یا طلاق دے دے یا خود عورت خلع کر لے' یا کوئی مسلمان عدالت شرعی وجوہ کی بنا پر نکاح کو فسخ کر دے۔ آج کل والدین بچی کی اجازت اور پسند کے بغیر' نسبی رشتے کی وجہ سے یا دوستی کی وجہ سے یا دولت کی بنا پر یا تعلیم اور جاہ و منصب کی بنا پر جو نکاح باندھ لیتے ہیں وہ رسول اللہؐ کے ارشادات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اپنی اولاد کے ساتھ بھی ظلم کرتے ہیں۔

اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو حق لڑکی اور لڑکے کو دیا ہے اسے چھین کر اپنی من مانی کرنا اور انانیت سے کام لینا عدل و قسط کے منافی ہے۔ اگر لڑکی ایسے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہو جو شریعت میں اس پر حرام ہو یا ایسے لڑکے کو پسند کرتی ہو جو دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے اس کے لیے بھی تباہ کن ہو اور اس کے خاندان کے لیے بھی ذلت و رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہو تو ایسی صورت میں لڑکی کے والدین نکاح رکوا سکتے ہیں اور اگر ہو گیا' تو اسے عدالت کے ذریعے فسخ کروا سکتے ہیں تاکہ لڑکی کی آخرت بھی تباہ نہ ہو اور اس کا خاندان بھی رسوائی اور شرمندگی سے بچ جائے۔

چونکہ نکاح زوجین کے درمیان معاہدہ ہے اور اس کا تعلق براہ راست میاں بیوی ہی کے ساتھ ہے اس لیے ان کی رضامندی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اس کے بغیر نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے لیکن نکاح زوجین کا صرف نجی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق خاندان سے بھی ہے اور اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ رشتہ نکاح کی وجہ سے لڑکی اور لڑکے کے خاندانوں کے درمیان دامادی اور سسرال کے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور دونوں خاندان اسی رشتے کی بنا پر آپس میں جڑ کر قبیلہ اور قوم بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسب اور سسرال دونوں کو اپنی نعمت اور قدرت کی ایک نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (الفرقان ۲۵: ۵۴) "اور اللہ وہی ہے جس نے بنایا ہے پانی سے (نطفے سے) انسان کو پھر بنایا ہے اس کو خاندان والا اور سسرال والا"۔

ماں کے خاندان کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے اور باپ کے خاندان کو عصبات کہا جاتا ہے۔ میراث میں تو عصبات کا حق مقدم ہے اور ذوی الارحام کا حق ان کے بعد ہے۔ لیکن صلہ رحمی اور حسن سلوک میں دونوں خاندانوں کے حقوق برابر ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ کے حق کے متصل بعد رشتہ داروں کے حقوق کا ذکر ہوا ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النسا ۴: ۱)

"اور ڈرو اس اللہ سے جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور ڈرو رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے بے شک اللہ تم پر نگران ہے"۔

اس مختصری وضاحت سے مقصد یہ ہے کہ اسلام کے اجتماعی اور سماجی نظام میں خاندان کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور خاندان کی بنیاد نکاح ہے جس کا مقصد صرف جنسی حاجت پوری کرنا نہیں ہے۔ اور یہ محض نجی اور شخصی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ دو خاندانوں کے تعلقات کا ذریعہ بھی ہے۔ اسے اگر زوجین کا نجی معاملہ اور صرف جنسی اور بشری ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ بنا دیا جائے تو خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا جیسا کہ یورپ میں تباہ ہو چکا ہے اور وہ شدید قسم کے اخلاقی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہے۔

اگر لڑکی کو اپنی پسند کی شادی کرنے میں بالکل خود مختار کر دیا جائے تو اس کا تعلق اپنے خاندان سے کٹ جائے گا اور یہ کلی طور پر شوہر اور اس کے خاندان کے رحم و کرم پر زندگی گزارے گی جو اس کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لڑکیاں جذباتی ہوتی ہیں۔ اگر ان کے رشتے میں والدین یا دوسرے شرعی وارثوں کا دخل دینا بالکل ختم کر دیا جائے تو جذبات اور وقتی محبت کے غلبے کی بنا پر کسی سے شادی رچالیں گی اور بعد میں پریشان اور پشیمان ہوں گی۔ یہ خطرہ

بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ لڑکی وقتی جوش و جذبے میں آ کر ایسے لڑکے کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لے جو دین و اخلاق اور کردار کے اعتبار سے اس کی آخرت اور دنیا دونوں تباہ کرنے والا ہو یعنی وہ لڑکی کا کفو نہ ہو۔ انھی وجوہات کی بنا پر شریعت نے لڑکی کے ولی کی اجازت اور پسند کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت بھی دی ہے تاکہ توازن اور اعتدال قائم رہے' زوجین کے درمیان مودت و محبت کا تعلق بھی رہے اور دونوں خاندانوں کے درمیان بھی خوشگوار تعلقات قائم ہو جائیں۔ جب لڑکی اور اس کا ولی باہمی مشاورت اور رضامندی سے فیصلہ کریں گے تو دونوں کے لیے مفید اور مبارک ثابت ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو یہ فرمایا ہے کہ بالغ عورتوں کی رضامندی اور اجازت کے بغیر ان کا نکاح جائز ہی نہیں ہے جیسا کہ احادیث کے حوالے پہلے دیئے جا چکے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ روایات بھی کتابوں میں موجود ہیں کہ لڑکی کے ولی کی اجازت بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں دو روایات زیادہ مشہور ہیں: ایک ابو موسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کوئی نکاح نہیں ہے ولی کی اجازت کے بغیر"۔ اور دوسری حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا ہو تو اس کا نکاح باطل ہے"۔ بہرصورت ولی کی اجازت و رضامندی کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں کچھ اور دلائل بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی اجازت اور رضامندی سے نکاح کا رشتہ قائم ہونا چاہیے اور حتی الامکان باہمی مشاورت و مفاہمت اور اتفاق رائے سے فیصلہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر اختلاف رائے کسی صورت میں بھی ختم نہ ہو سکے تو پھر کیا کیا جائے؟

اس سوال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں میں موجود ہے جن کا ذکر حوالوں کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے اور وہ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کے فیصلے کے مقابلے میں لڑکی کے فیصلے کو ترجیح دی اور اس کے اعتراض پر باپ کے باندھے ہوئے نکاح کو رد کر دیا۔

لیکن ایک سوال اور خلجان پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے الفاظ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے اور عورتوں کی رضامندی کے بارے میں نقل شدہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لڑکی راضی ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکی نے اگر "کفو" کے ساتھ نکاح کیا تھا اور کوشش کے باوجود ولی نے اجازت نہیں دی تھی تو یہ نکاح وارث کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہے۔ اس لیے کہ جب لڑکا دین و اخلاق کے اعتبار سے لڑکی کا کفو ہے تو ایسی صورت میں ولی کا انکار کرنا محض ضد و انانیت پر مبنی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن اگر لڑکی نے اپنے ولی کے

انکار اور ناراضی کے باوجود ایسے لڑکے کے ساتھ نکاح کر لیا ہو جو اس کا کفو نہیں ہے اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے لڑکی کے لیے بھی تباہ کن ہے اور اس کے خاندان کے لیے بھی ذلت و شرمندگی کا باعث ہے تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کے بغیر یہ نکاح صحیح نہیں ہو گا (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۵۵-۲۶۰' طبع مذکور) (گوہر رحمان)

حسن قرآت کی غیرضروری اہمیت

آج کل تجوید کا بہت چرچا ہے۔ جگہ جگہ مدرسے کھل رہے ہیں۔ سب چارے لوگ سارا دن مخرج' تلفظ' اخفا وغیرہ کی مشق میں لگے رہتے ہیں اور خاصی محنت سے اس کے اصول یاد کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی تجوید پڑھنا چاہتا ہے اور اسی پر زور دینا چاہتا ہے تو درست ہے مگر وہ اوروں کو تو تنقید نہ کرے کہ تم لوگ قرآن غلط پڑھتے ہو' یہ گناہ ہے کہ انسان مخرج نہ نکالے یا قلقلہ نہ کرے۔ میرے نزدیک اتنا ہی کافی ہے قرآن مجید کو ہر ممکن طریقے سے صحیح پڑھنے کی کوشش کی جائے۔ زیر زبر کا خیال رکھا جائے جو مخرج ادا ہو سکتے ہوں' وہ کر لیں اور جو نہ ہو سکتے ہوں وہ قابل معافی ہیں کیونکہ ہم عرب نہیں ہیں اور قرآن پاک دنیا کے ہر انسان کے لیے ہے اور ہر انسان اہل زبان کی طرح ادائیگی نہیں کر سکتا اور قرآن پاک اس لیے نہیں آیا کہ بس اس کے سات طریقوں کے مطابق قرات کر لی جائے بلکہ اس لیے آیا ہے کہ اس کے مفہوم کو سمجھا اور غور کیا جائے اور عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

تلاوت قرآن کی اصل روح تو یہ ہے کہ پورے ذوق و شوق' محبت و تعظیم اور عمل کی نیت اور عزم کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اور اس کے معانی و مفاہیم' احکام و ہدایات' قصص و امثال اور مواعظ و نصائح پر غور کیا جائے اور ان سے اثر لینے کی کوشش کی جائے تاکہ اس شعوری تلاوت کے ذریعے قاری کے قلب کی اصلاح ہو سکے۔ لیکن قرآن کریم کے صحیح تلفظ کا بھی فہم قرآن میں بڑا دخل ہے اور کلام اللہ تجوید کے قواعد و ضوابط کے مطابق پڑھنا بھی موجب اجر ہے اور اصلاح قلب کے لیے موثر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ترتیل کے معنی ہیں حروف کا صحیح صحیح اور صاف صاف ادا کرنا۔ جس طرح کہ قرآن کے معانی سمجھانا فریضہ نبوت تھا اسی طرح اس کی آیات کا تلفظ صحیح کرانا بھی کار نبوت تھا۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ "پڑھتا ہے ان کے سامنے اللہ کی آیتیں' اور پاک صاف کرتا ہے ان کو' اور سمجھاتا ہے ان کو قرآن اور دانش مندی"۔ احادیث و آثار میں جس طرح قرآن کے معانی و مفاہیم بیان ہوئے ہیں اور توارث و تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں اسی طرح قرآن کریم کی تجوید و ترتیل کے ساتھ قرات بھی ہم تک توارث کے ساتھ پہنچی ہے۔ اس لیے تجوید کے مدرسے کھولنا اور بچے بچیوں کو تجوید کے قواعد کے ساتھ قرآن پڑھانا قابل تحسین ہے۔ اور اس کام کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور ان میں

تعاون کرنا چاہیے۔

صحیح تلفظ کی جہاں تک ممکن ہو، کوشش کرنی چاہیے اور مشق بھی کرنی چاہیے تاکہ قرآن میں مہارت حاصل کر لی جائے اور اس کو اچھے طریقے پر بے تکلف اور رواں پڑھا جاسکے۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود کوئی شخص اس میں کامیاب نہ ہوسکے تو وہ معذور ہے اور نہ صرف یہ کہ گناہ گار نہیں ہے بلکہ اسے دوگنا اجر ملے گا جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص قرآن میں مہارت حاصل کر لے وہ معزز، فرماں بردار اور پیغام رساں فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو اور روانی کے ساتھ پڑھنا اس کے لیے مشکل ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (بخاری و مسلم)

آپ نے یہ درست لکھا ہے کہ اہل زبان کی طرح پڑھنا غیر زبان والوں کے لیے مشکل ہوتا ہے اس لیے اس بارے میں بے جا اور غیر ضروری سختی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اتنی لاپروائی اور نرمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ صحیح تلفظ اور ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔

قرآن کریم کی تلاوت فطری، طبعی اور غیر مصنوعی خوش آوازی کے ساتھ کرنے کی فضیلت احادیث میں آئی ہے اس لیے اس کا اہتمام کرنا مسنون بھی ہے اور مفید و موثر بھی ہے لیکن کچھ لوگ مصنوعی قسم کی خوش آوازی پیدا کرنے کے لیے موسیقی اور سرود کے طرز پر غیر ضروری مدوقصر اور زیروبم کے تکلفات کرتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنی خداداد فطری خوش آوازی کے ساتھ رواں اور ہموار قرات کرنی چاہیے۔

سات طرح کی قراتوں میں قرآن پڑھنا لازم نہیں ہے بلکہ ایک متواتر قرات میں پڑھنا بھی کافی ہے۔ اگرچہ ان کا محفوظ رکھنا اور سات قراتوں کے قاری تیار کرنا ایک مفید اور مستحسن کام ہے۔ لیکن اس بارے میں کچھ لوگ غیر ضروری غلو کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض مقامات پر لوگوں میں فتنہ و فساد اور اختلاف و تشویش کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں سات طریقوں پر اصرار کرنا فائدے کی بجائے نقصان کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے مصحف عثمانی کے مطابق صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور سات طریقوں پر پڑھنے اور پڑھانے کو لازم نہ کیا جائے!

نامساعد حالات میں کیا کریں

انسانی فطرت ہے کہ ناساعد اور حوصلہ شکن حالات میں ہمت پست ہونے لگتی ہے۔ قوتِ کار جیسے ختم ہوجاتی ہے۔ بعض وقت یہ احساس بھی ستاتا ہے کہ حالات کی سنگینی اپنے ہی کسی اقدام کی پیداکردہ ہے۔ ایسے میں انسان کیا کرے۔؟

ناساعد اور حوصلہ شکن حالات میں ہمت اور حوصلہ برقرار رکھنے کا مسئلہ تو قلبی اور اندرونی ہے ' وجودی (existential) ہے۔اس مسئلے کا حل تو ایک ہی جگہ مل سکتا ہے ' وہاں موجود بھی ہے ' موثر بھی ہے۔وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے پاس۔نسخہ بھی سیدھا ہے۔اپنا اور اپنی زندگی کا رخ صرف اللہ کی طرف کرلیں ' اس کے 'چہرے ' کی طرف۔اس کی توجہ اور رضا ہی کی طلب ہو ' اور ہر کام اسی کے لیے ہو۔آفلین نہ مقصود ہوں نہ محبوب۔نہ کسی فانی کے ساتھ اپنے کو باندھیں۔فانی تو روز ابھرتے اور ڈوبتے ' چمکتے اور بجھتے ' پیدا ہوتے اور فنا ہوتے ہیں۔جو ان کے ساتھ بندھا ہوگا ' اس کا حشر بھی یہی ہوگا۔پھر ایک دن ہباء منثورا ہوجائے گا ' حالانکہ کرنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ایک ہی چیز باقی رہنے والی ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ۔جو حوصلہ 'ہمت اور عمل اس کے لیے ہوگا ' اس سے وابستہ ' وہ بھی باقی رہے گا۔حضورؐ کی وفات سے بڑے حادثے کا مسلمان کیا تصور کرسکتا ہے۔جب بھی یہی کہا گیا۔من یعبد اللہ فان اللہ حی لایموت من ، کان یعبدمحمد افان محمدقدمات۔

دنیاوی ناکامیوں سے حزن و غم فطری ہے۔اس کے لیے دعائیں ہیں جو دعاؤں کی کتابوں میں مل جائیں گی۔اپنی غلطیوں سے ناکامیاں ہوں ' تو ان پر استغفار ضروری ہے۔ناکامی کی وجہ اپنی غلطی ہی نہیں ' مشیت الٰہی بھی ہے ' حالات کی ناسازگاری بھی ہے ' بین الاقوامی حالات کی بھی قومی کی بھی ' اپنے کام کی کوتاہیاں بھی ہیں ' اپنی غلطیاں بھی۔لیکن حوصلہ اور ہمت ہارنے کا کیا سوال۔حوصلہ اور ہمت تو جنت کا ہونا چاہیے اور وہ کسی ناکامی سے دور نہیں ہوتی۔صرف نافرمانی سے دور ہوتی ہے۔اس سے بچنا چاہیے۔(خرم مراد)

کتاب نما

روشنی کی لکیریں' محمد قطب۔ ترجمہ : ابو مسعود اظہرندوی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز' دہلی نمبر ۶۔ صفحات: ۲۰۸۔ قیمت: ۶۰ روپے۔

قرآنی آیات کی طرح احادیث رسول پاکؐ کی تشریح و توضیح کا بھی ایک ذخیرہ اسلامی لٹریچر میں ملتا ہے۔ ہر دور کی اپنی ضرورت اور ہر شارح کا اپنا انداز ہے۔ بدر عالم میرٹھی کی "ترجمان السنہ" میں تفسیر کا انداز ہے تو مولانا منظور نعمانی کی "معارف الحدیث" میں آسان تشریح اور قلب کو متوجہ کرنے والا۔ افتخار احمد بلخی کی "جواہر رسالت" میں جواہر کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے تو خرم مراد کی "چند لمحات کلام نبوی کی صحبت میں" میں تزکیہ و تربیت کے اہم نکات کی طرف دل متوجہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ "زندگی" میں سید حامد علی کے درس حدیث میں موضوع زیر بحث پر سیر حاصل بحث ملتی ہے تو راہ عمل میں جلیل احسن ندوی کے اشارات فکر و عمل پر ابھارتے ہیں۔ یہ تو چند نمونوں کی جھلک ہے ورنہ ہر مسلک کے ہر دینی رسالے میں احادیث کی تشریح کے سلسلے جاری ہیں۔ کلام رسول کا اعجاز ہے کہ ہر خوشہ چین خوب خوب پاتا اور تقسیم کرتا ہے۔ ہماری نظر تو صرف اردو تک ہے' جہاں بھی مسلمان ہیں' اپنی زبان میں خیر کے یہ چشمے جاری ہیں۔ عربی تو خود رسول اللہ کی زبان ہے۔ اس میں جو سرمایہ ہوگا اس تک تو عربی دان ہی پہنچ سکتے ہیں لیکن ترجمے تشنگان کی سیرابی کا کچھ سامان تو کرتے ہیں۔ بھارت کے ابو مسعود اظہرندوی نے یہی خدمت انجام دی ہے اور محمد قطب کے مخصوص اسلوب میں حدیث کی تشریح' جس کی ایک جھلک ترجمان القرآن (اکتوبر ۹۵) میں عارفہ اقبال نے پیش کی تھی' شائقین کے لیے فراہم کر دی ہے۔

محمد قطب ایک حدیث کو لیتے ہیں اور پھر اس دور کے 'انسانی نفسیات کے پس منظر میں' خطابت کے جوہر دکھاتے' حدیث کے ہر پہلو کی طرف اشارے کرتے چلتے ہیں' ایسے پہلو جس طرف ایک عام قاری کا ذہن شاید نہ جائے۔ احادیث کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ صاف سیدھی' عام فہم اور دل میں اتر جانے والی باتیں' براہ راست رسول کے الفاظ میں موثر ہوتی ہیں' اور تشریح ان کو بوجھل کر دیتی ہے لیکن محمد قطب کی یہ کتاب اس رائے کو غلط ثابت کرتی ہے۔ ۲۰۸ صفحات کی کتاب میں گیارہ ابواب ہیں۔ گیارہ عموماً مختصر احادیث' جوامع الکلم کو موضوع بنایا گیا ہے لیکن پندرہ بیس

صفحات کے یہ مقالات قاری ہلکے پھلکے انداز سے پڑھتا چلا جاتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ ان کوزوں میں علم و حکمت کے کیسے کیسے دریا سموئے ہوئے ہیں۔ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" پر گفتگو میں ، علم کی اہمیت ، فرض کا تصور ، ہماری تاریخی روایت میں علم اور لللِ علم کا مقام ، علم کا تعمیری استعمال ' یورپ میں علم کا تصور ' سائنس اور دین میں ٹکراؤ ' اور آج کا دور کہ علم صرف ذریعہ حصول رزق ہو کر رہ گیا ہے ' کوئی پہلو بھی رہا نہیں ہے۔ اسی انداز سے 'قیامت آجائے تو بھی پودا لگا دو' دعا مانگی جائے اور دعا قبول نہ ہو' اللہ کی ذات کے بجائے مخلوقات پر غور' عبادت اس طرح کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے ' جو کام کرو بہترین طور پر کرو' جس کی زیادہ مقدار حرام کم بھی حرام' شک پر سزا نہ دینا' جہاز کی نچلی منزل والوں کو سوراخ کرنے سے نہ روکنا وغیرہ پر موتی بکھیرے گئے ہیں اور ترجمے کی تحسین ہونی چاہیے کہ کہیں روانی اور بہاؤ متاثر نہیں ہوتا۔

مصنف کا پیش لفظ بھی ایک فکر انگیز اور عمل انگیز تحریر ہے جس میں رسول اللہؐ کی شخصیت اور تعلیمات کو اس دور میں سمجھنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مصنف کے بقول "میرے ذہن میں جب رسول اللہؐ کا خیال آتا ہے تو وہ فضا میں معلق ایک خیالی تصویر کی حیثیت سے نہیں بلکہ مجسم عملی حقیقت کی صورت میں آتا ہے"۔ کتاب کا مطالعہ قاری کو اس تصور میں شریک کر دیتا ہے۔ (مسلم سجاد)

ان کی باتیں ، ہماری یادیں ' ایس این خان۔ ناشر: مصنف ' اے ' ۷ ۲۴ ابلاک ڈی۔ شمالی ناظم آباد ' کراچی۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: درج نہیں۔

ایس ' این ' خان صاحب نے آپ بیتی کو صیغہ واحد متکلم کے بجائے صیغہ واحد غائب میں تحریر کرنے کا نادر اسلوب اپنایا ہے یعنی ایس ' این ' خان نے شہزاد نبی خان کے حالات لکھے ہیں۔ بظاہر یہ ایک عام پاکستانی مسلمان کے نجی حالات ہیں جس نے چالیس سال الیکٹرک سپلائی کارپوریشن میں ملازمت کی لیکن عام نوعیت کی اس آپ بیتی میں بھی قاری کے لیے بہت سے سبق آموز پہلو ملتے ہیں۔ شہزاد نبی خان نے پاکیزہ اور دیانت دارانہ زندگی گزاری ' مشکلات اور آزمایشوں کے مقابلے میں ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا۔ ملازمتی زندگی میں ان پر بعض زیادتیاں بھی ہوئیں مگر وہ کبھی مشتعل نہیں ہوئے اور صبر و حکمت کے ساتھ صورت احوال سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ چنانچہ انھیں اللہ نے نقصانات سے بچائے رکھا۔

بعض باتوں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دسویں جماعت میں سکول میں گروپ فوٹو ہونے والا تھا۔ شہزاد نبی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو ایک خط لکھا اور ان کی ہدایات کے مطابق اپنے آپ کو اس گروپ میں شامل نہیں کیا۔ (ص ۲۵) انسپکشن کے لیے بعض افسر انجینئر کراچی سے باہر جاتے

تھے۔ یہ مقررہ واجبات کے علاوہ بھی کئی طرح کے بل محکمے کو پیش کرتے۔ کوئی صاحب اپنے سلیپنگ سوٹ خریدنے کا بل پیش کر رہے ہیں۔ کوئی لاہور میں سٹیج ڈراما دیکھنے کا ٹکٹ پیش کر رہا ہے۔ کوئی ایک کلو مٹھائی خریدنے کا اور لاہور سے گوجرانوالہ ٹیکسی کے ذریعے سفر کرنے کا بل۔ شہزاد نبی خان نے اس طرح کے بل روکے بلکہ مشیر مالیات سے بھی بل روکنے کے لیے احکامات حاصل کیے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی جو کام آئی ورنہ اس سے قبل کسی نے یہ کام نہ کیا تھا۔ (ص ۹۰) --- (بعد میں بھی کم ہی لوگوں نے یہ کیا، ورنہ یہ نوبت نہ آتی)۔

شہزاد نبی خان حلقہ ادب اسلامی کراچی کی نشستوں میں بھی سرگرمی سے شریک ہوتے رہے۔

۱۹۷۲ء کا ایک مشاہدہ: (یہ ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکمرانی تھا) چوبیس گھنٹے کے لئے تربیلا ڈیم کی کالونی میں قیام کیا۔ کالونی میں قیام کے دوران میں شہزاد نبی خان نے دیکھا کہ سبزیاں، دودھ، دہی بلکہ تمام چیزیں پلاسٹک کے سربند پیکٹوں میں غیر ملک سے آرہی ہیں۔ ہر بنگلے میں کئی کئی ایر کنڈیشنر لگے ہوئے ہیں۔ (ص ۷۰) ۱۹۳۸ء میں اتاترک کی وفات پر اجمیر میں پرانی منڈی کی مسجد سے متصل دالان میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ ایک بورڈ آویزاں کیا گیا جس پر لکھا تھا "قرآن خوانی برائے ایصال ثواب کمال اتاترک"۔ (ص ۳۲) یوں اس آپ بیتی سے برعظیم اور پاکستان کی تاریخ، سیاست، تہذیب اور معاشرت وغیرہ سے بھی ایک حد تک آگاہی ہوتی ہے۔

شہزاد نبی ۱۹۴۱ء سے "ترجمان القرآن" کے قاری ہیں۔ کیا وہ قدیم ترین قاری ہیں؟ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

شان قرآن مجید، عبدالرزاق جانگرا۔ ملنے کا پتا: یونائیٹڈ کارپوریشن، پہلی منزل، ادب منزل، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

کم و بیش ڈیڑھ سو عنوانات (شان رحیم و کریم، شان رحمت دو عالمؐ، شان قرآن، شان صحابہؓ، حقیقت توحید، قربانی، رزق حلال، بہادری، جھوٹ، ریاکاری، یتیموں سے حسن سلوک، جہنم، تلاوت قرآن کے آداب وغیرہ) کے تحت قرآنی آیات مع ترجمہ و مختصر توضیحات اور متعلقہ احادیث۔ بعض عنوانات کے تحت ضمنی عنوانات جیسے اسلام کا نظام تعلیم کے تحت تعلیم کی اہمیت، تعلیمی بنیادیں، تصور علم، مقصد تعلیم، توازن، تعمیر سیرت، تکمیل حیات، جداگانہ تعلیم۔ آیات کا متن مکمل دیا جاتا تو بہتر تھا، قاری تلاوت سے محروم نہ رہتا۔ ابتدا میں شامل تقاریظ میں بعض علماء نے مولف کی کاوش کو سراہا ہے۔ (د - ہ)

جب حضورؐ آئے، مرتبہ محمد متین خالد۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور۔ صفحات:

- قیمت: ۱۵۰ روپے۔

سیرت پاک پر اپنی نوعیت کی منفرد تالیف ہے جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سید محمد جعفر رضا تک، ۹۰ اہل قلم کی وہ نگارشات جمع کی گئی ہیں جو ولادت باسعادت کے حوالے سے سپرد قلم کی گئیں۔ بیشتر انتخاب ا، ۲ یا ۳ صفحات پر مشتمل ہیں، چند طویل بھی ہیں، خصوصاً جیلانی بی اے کا (۳۲ صفحات)۔ کسی کے لیے بھی اپنے محبوب کا بیان ایک جاں فزا عمل ہے، یعنی اردو زبان پر قدرت رکھنے والوں نے جس جس انداز سے بیان کیا ہے، اور پھر جب بیان قاری کے اپنے محبوب کا ہو، بس پوری کتاب ایک کیفیت میں پڑھی جاتی ہے اور اپنا تاثر چھوڑتی ہے۔ یہ موضوع بھی عجب موضوع ہے، نہ لکھنے والے سیر ہوتے ہیں نہ پڑھنے والے۔ ایک ہی خوبصورت کتاب میں شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، مناظر احسن گیلانی اور بہت سے دیگر معروف اور غیر معروف اہل قلم کے ساتھ بہترین لمحات فراہم کرنے پر محمد متین خالد، تحسین کے مستحق ہیں۔ حیرت ہے کہ "تفہیم القرآن" کے ناشرین کی شائع کردہ اس کتاب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی جگہ پا سکے، نہ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ آخر کے ۶ صفحات میں، مرتب کی جانب سے حضور رسالتمابؐ کے تقریباً ایک ہزار القاب و آداب غیر معمولی چیز ہے۔ اچھا ہوتا کہ وہ ہر تحریر کو عنوان دیتے، مصنف کا نام نیچے درج کرتے اور حوالہ بھی۔ ان کے زرخیز ذہن کے لیے یہ مشکل نہ ہونا چاہیے تھا۔ (م - س)

سر تسلیم خم ہے، مولف: جیفرے لینگ - اردو ترجمہ: ڈاکٹر تصدق حسین راجا۔ ناشر: مکتبہ دانیال حیدر راجا، ۱۱۴۔ اے سٹریٹ: ۵۵۔ جی ۳/ ۱۰ اسلام آباد۔ صفحات: ۲۱۲۔ قیمت: ۱۹۰ روپے / ۱۸ امریکی ڈالر۔

یہ کتاب ایک امریکی نو مسلم ڈاکٹر جیفرے لینگ کی خود نوشت Struggle to Surrender کا اردو ترجمہ ہے۔ وہ کینکٹی کٹ میں پیدا ہوئے، ریاضی کے مضمون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور آج کل ایک امریکی یونی ورسٹی میں تدریس میں مشغول ہیں۔ وہ ۱۹۸۲ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پہلے باب میں مصنف تفصیلاً بتاتے ہیں کہ وہ دس سال تک ایک خواب دیکھتے رہے۔ یہ خواب جب حقیقت بن کر سامنے آیا تو اس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ دوسرے باب میں قرآن کے حوالے سے مصنف نے متداول عقائد کے ساتھ ساتھ اپنے احساسات درج کیے ہیں، تیسرے باب میں آنحضرتؐ کی سیرت خصوصاً حقوق العباد، حسن خلق کے علاوہ احادیث کی اقسام اور اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ چوتھے باب میں خاندان، عورت کی گواہی اور تعلیم اور پانچویں باب میں مسلم مسیحی مکالمے اور اسرائیلی فلسطینی تنازع جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر جیفرے نے مغربی معاشروں میں مقیم مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھ کر کچھ سوالات اٹھائے ہیں - ان کی معلومات کا تمام تر ماخذ انگریزی زبان میں موجود کتابیں ہیں جو زیادہ تر مستشرقین نے لکھی ہیں - کبھی کبھار خود کلامی کا گمان بھی گزرنے لگتا ہے - ابھی سان فرانسیسکو کی بات چل رہی ہے ابھی ذاتی واقعات شروع ہوگئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مسلم معاشرت کے کسی پہلو کو اجاگر کیا جا رہا ہے - چوں کہ موصوف ریاضی دان ہیں اس لیے بات سے بات نکالتے چلے جاتے ہیں اور کبھی کبھار تحریری پیرایہ اس قدر طویل ہو جاتا ہے کہ پڑھنے والا الجھن اور بوریت کا شکار ہونے لگتا ہے - ڈاکٹر موصوف پر فلسفے کا بھی غلبہ ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلسفیانہ طرز اظہار و خیال بار بار نمایاں ہو رہا ہے - پیش لفظ میں ڈاکٹر جیفرے نے تسلیم کیا ہے کہ نہ وہ ماہر ادیب ہیں اور نہ عالم دین' وہ تو امریکہ میں مقیم غیر مسلموں اور نو مسلموں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سمجھانا چاہتے ہیں - اس کتاب کا سب سے دلچسپ پہلو امریکی زندگی کے وہ مختلف اور متنوع پہلو ہیں جن سے اسلام کے نظام خصوصاً خاندانی نظام کی برتری ثابت کی ہوتی ہے -

ڈاکٹر تصدق حسین راجا عرصہ دراز سے قلم و قرطاس سے وابستہ چلے آ رہے ہیں - اس کتاب کو اردو میں ڈھالنے کے لیے انھوں نے شدید محنت کی ہے اور چند مقامات پر انھوں نے انگریزی الفاظ کا غالباً لفظی ترجمہ کر دیا ہے جو انگریزی میں تو بالکل قابل فہم ہے مگر یہ اردو اسلوب نہیں ہے - کہیں کہیں طویل جملے اور بلاعنوان پیرے بھی کھٹکتے ہیں - مجموعی طور پر راجا صاحب نے اس ترجمے کے ذریعے ایک مفید خدمت انجام دی ہے - طباعت اچھی اور سرورق خوب صورت ہے - (محمد ایوب منیر)

سفر دیدہ نم' صاحبزادہ طارق محمود - ناشر: مکتبہ لولاک' جامع مسجد محمود' ریلوے کالونی' فیصل آباد - صفحات: ۱۲۶ - قیمت: ۷۵ روپے -

برطانیہ کے تبلیغی دورے سے واپسی پر جولائی ۱۹۹۴ء میں مصنف کو حرمین شریفین کی زیارت اور ادائے عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی - زیر نظر کتاب اسی سفر کی روداد پر مشتمل ہے - مصنف نے قلبی کیفیات و جذبات اور مشاہدات و معلومات کو بڑی روانی اور عمدہ اسلوب میں پیش کیا ہے - آثار و مقامات کے بیان میں انھوں نے "بیسیوں سفرناموں سے رہنمائی" بھی حاصل کی ہے - اس طرح اس سفرنامے سے ہمیں مولف کے ذاتی تاثرات اور مشاہدات کے ساتھ ساتھ تاریخی تفصیل بھی ملتی ہے -

صاحبزادہ صاحب اچھی اور ادیبانہ نثر لکھنے کی قدرت رکھتے ہیں مگر ان کے اسلوب پر عقیدت اور وارفتگی کا والہانہ پن غالب آجاتا ہے اور تحریر خطابت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے' جس سے بیان و اسلوب کا داخلی پہلو مجروح ہوتا ہے - کتاب بہت خوب صورت چھپی ہے - اور ہر اعتبار سے لائق

مطالعہ ہے۔(ر – ف)

دلی دور نہیں 'انور سدید۔ ناشر: مقبول اکیڈمی 'لاہور۔ صفحات: ۳۰۸۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

جناب انور سدید اردو کے نامور ادیب' نقاد' مورخ ادب' انشائیہ نگار اور کالم نویس ہیں۔ ادھر ان کی توجہ صحافت و اخبار نویسی کی طرف زیادہ ہے مگر انھوں نے ادب و تنقید کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ ۱۹۸۴ء میں انھیں غالب انسٹی ٹیوٹ' دہلی کی مجلس مذاکرہ میں مقالہ پڑھنے کی دعوت ملی تھی۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے میں سفر دہلی کی روداد پر مشتمل ہے۔

انور سدید ایک مشاق اور فطری ادیب ہیں۔ بات کہنے کا سلیقہ اور ڈھنگ جانتے ہیں۔ ابتدائی ۳۵' ۴۰ صفحات میں تو وہ لاہور اور اسلام آباد ہی میں گھومتے اور باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ قاری کو احساس ہوتا ہے کہ دلی واقعی دور ہے۔ ان کا یہ سفر ڈاکٹر وزیر آغا کی ہمراہی میں تھا۔ اس لیے انھیں دہرا فائدہ ہوا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے وزیر آغا کے مداحوں سے بھی خوب خوب ملاقاتیں اور باتیں کیں۔ بھارت کے اس دس روزہ سفر میں یہ حضرات دن رات ادیبوں اور ادب نوازوں کے گھیرے ہی میں رہے۔ غالب مجلس مذاکرہ سے جو دن بچے ان میں بھی دعوتیں' باتیں' بحثیں' اور تبادلہ خیال ہوتا رہا' جن کا واحد موضوع تھا: ادب' تنقید' ادبی رسائل اور ادبی سیاست۔ ہوٹل کے کمرے میں' ناشتے کی میز پر' کھانے کی دعوتوں میں یا ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے سلسلہ کلام کہیں بھی نہیں رکتا۔ انور سدید نے گفتگوؤں کی ان تفصیلات کو اس خوبی سے صفحہ قرطاس پر اتارا ہے جیسے کسی فیتے سے مکالمے ہو بہو نقل کروائے ہوں۔ بیچ بیچ میں ان کے ذاتی تاثرات اور تبصرے جن میں احمد ندیم قاسمی اور ڈاکٹر سلیم اختر کا ذکر ناگزیر تھا۔ مگر پورے سفرنامے میں تلخی نام کو بھی نہیں۔ لکھنے والے نے توازن اور شگفتہ نگاری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہ ان کی بڑی کامیابی ہے۔ ادب بذات خود ایک وسیع و عریض موضوع ہے جس کی اپنی سیاست ہے اور بے شمار متنوع پہلو ہیں۔ سو مصنف کا قلم اسی دائرے تک محدود رہا۔ زیادہ سے زیادہ دلی کی سڑکوں' ہوٹلوں یا فٹ پاتھوں کا کہیں تھوڑا بہت ذکر آگیا۔ یہ ایک ادبی سفر کی دلچسپ روداد ہے۔ جو لوگ ہندو پاک کی ادبی صورت حال پر نظر رکھتے ہیں اور یہاں وہاں کے ادیبوں' شاعروں اور نقادوں اور ان کے کام سے واقف ہیں' وہی اسے پڑھتے ہوئے حقیقی لطف اٹھائیں گے۔ (ر – ف)

اپنی نماز درست کریں' از محمد انور علوی۔ ناشر: البدر پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۵۶۔ قیمت: ۱۲ روپے۔

نماز کے بارے میں ہر طرح کی کتاب ملتی ہے لیکن یہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں تمام

متفقہ امور و نکات' ربط و ترتیب کے ساتھ عملی نقطہ نظر سے بیان کیے گئے ہیں۔ جو بھی غلط نماز پڑھتا ہے' اور ایسے لوگ کم نہیں ہیں' اسے ضرور نماز درست کرنا چاہیے۔ لیکن معلوم کیسے ہو؟ اس کے لیے' یہ کتاب پڑھیے۔

اچھا ہوتا کہ بات واضح کرنے کے لیے تصویر نہ سہی شکلوں سے مدد لی جاتی۔ تجربہ کار مدرس سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ (م - س)

ماہنامہ THE VOICE OF ISLAM' مدیر: پروفیسر عبدالقدیر سلیم اور دیگر۔ جمعیت الفلاح' اکبر روڈ' صدر کراچی ۷۴۴۰۰۔ صفحات: ۶۲۔ قیمت: فی پرچہ ۲۰ روپے' زر سالانہ: ۱۰۰ روپے۔

بین الاقوامی معیار کا زیر نظر انگریزی مجلہ جمعیت الفلاح کراچی ۴۴ سال سے شائع کر رہی ہے۔ اس کے مدیروں کے سلسلۃ الذہب میں پروفیسر خورشید احمد اور ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری جیسے نامی گرامی افراد شامل رہے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی میں اس نے کئی اہم میدانوں میں قیمتی خدمت انجام دی ہے۔ کچھ تعطل کے بعد اب پھر اجرا ہوا ہے۔ زیر نظر شمارے میں کئی قیمتی مقالات شامل ہیں۔ خالد اسحاق نے عالم اسلام کو درپیش چیلنج کے عنوان سے کرپشن اور بیرونی امداد کے تعلق اور سیکولرازم اور آمریت پر گفتگو کرتے ہوئے اتحاد امت کی ضرورت اور مسلم اہل دانش کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین (اسلام اور عالمی امن)' ڈاکٹر ایس ایم قریشی (مغرب سے تنازع کی بنیادیں)' ڈاکٹر سید احسان اللہ (جینیاتی انجنیری اور شریعت) اور پروفیسر مسعود عباس ملک (بلیک مارکیٹ میں بلیک منی) کے اہم مقالے اس رسالے کو نہایت وقیع اور قابل مطالعہ بناتے ہیں۔ انگریزی پڑھنے والوں کے لیے یہ عصری مسائل کی اسلامی تفہیم کے راستے کھولتا ہے۔ اس کی باقاعدگی سے اشاعت جمعیت الفلاح جیسے ادارے کے مقاصد کے حصول میں (جس کے بانیوں میں مولوی تمیز الدین اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جیسے نام ہیں) اہم کردار ادا کرے گی۔ (م - س)

Key to al-Baqarah' خرم مراد۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر۔ ملنے کا پتہ: بک پروموٹرز' مرکز ایف - سیون' اسلام آباد۔ صفحات: ۳۶۔ قیمت: درج نہیں۔

مدیر ترجمان بغرض علاج برطانیہ میں مقیم ہیں۔ اس کا ایک ثمر قرآن پاک کی طویل ترین سورت کی زیر نظر ۳۶ صفحات کی کلید کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یہ اپنی خوبصورت پیشکش سے نظر کو خوش کر دیتا ہے اور مطالعہ پر قرآن کے خزانوں میں سے اس پہلے خزانے (Treasures of

1۔ Quran Series) سے قلب و ذہن مالا مال ہوجاتے ہیں۔ امت مسلمہ کے زوال کے اسباب اور عروج کی شاہراہ بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے آئینے میں صاف نظر آتی ہے۔ قرآن کا نسخہ شفا امت کے تمام امراض کا تیز بہدف علاج ہے--- شرط استعمال ہے--- لیکن سورۃ بقرہ تو موجودہ مرحلے میں جیسے پکار پکار کر بلاتی ہے اور بتاتی ہے کہ ذلت اور مسکنت سے نجات پاتا ہے اور اپنے رب کو راضی کر کے اس دنیا میں امامت و قیادت کا منصب سنبھالنا ہے تو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اکیسویں صدی کی آمد آمد پر اس سے زیادہ بر موقع بات شاید کوئی دوسری نہیں۔ مصنف نے ۲۸۶ آیات کو ۷ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے موضوعات کو بیان کیا ہے: ہدایت کے اصول' بنی اسرائیل کی عہد شکنی' مسلم امت کا مشن' دین و شریعت کے اصول' اجتماعی زندگی کے اصول و قوانین' جہاد و انفاق اور اخلاقی و روحانی سرچشمے۔ مرکزی مباحث کا الگ عنوان قائم کر کے ۸ موضوعات پر اشارات دیے ہیں۔

مصنف نے اپنی زندگی قرآن پاک پر غور و فکر کے لیے وقف کی' اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے پیغام کا درد اور فہم عطا کیا اور یہ توفیق دی کہ اس میں دوسروں کو شریک کریں۔ انھوں نے کوئی تفسیر لکھنے کے بجائے' درس' خطبے اور مختصر کتابچوں کے ذریعے کو اپنایا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دل جاگیں اور خالق و مالک کے بتائے ہوئے راستے پر لگ جائیں۔

ایک رائے کے مطابق مسلمانوں کی مستقبل کی زبان انگریزی ہے۔ انگریزی میں معیاری اشاعت کسی چیز کے مسلم اور غیر مسلم تمام ممالک میں پہنچنے کا راستہ کھول دیتی ہے۔ خرم مراد کی شستہ' رواں اور خوب صورت انگریزی' ان کے افکار کی اشاعت کا موثر وسیلہ ہے اور یقیناً قرآن کے خزانے دنیا کے ہر حصے میں' ہر طرح کے انسانوں تک پہنچانے کا ذریعہ۔ خود ہمارے ملک میں بھی جس گلوبل کلچر کی یلغار ہے' وہ انگریزی کی جلو میں ہی ہے۔ تعصب کو ایک طرف رکھ کر' یہ اہتمام ہونا چاہیے کہ قرآن کی دعوت' بندوں کے لیے ان کے خالق کا پیغام اس طرح کے کتابچوں کی مدد سے ان افراد میں پھیلایا جائے جو یہی زبان سمجھتے ہیں۔ (سلیم منصور خالد)

مدیر کے نام

عبد الرشید بھٹی، کراچی

بھنور (ستمبر ۹۶) تو شدید ہوتا جا رہا ہے۔ گرہ کھولنے کی تدبیر تو مدیر محترم نے بیان کر دی ہے' لیکن اس ملک کا مسئلہ یہ ہے کہ جن افراد کے ہاتھوں میں گرہ کھولنا ہے' یا انہیں بھنور کا احساس نہیں یا گرہ کھولنے سے بے نیاز ہیں۔ اصولاً ساری ذمہ داری عوام پر آتی ہے لیکن عوام نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔

محمد سلیم، پشاور

اس ملک کی تقدیر جب ہی بدلے گی جب عوام جاگیں گے۔ مخلص قیادت کا اصل فریضہ یہی ہے کہ عوام کو بیدار کریں۔ تاریخ میں اور دور حاضر میں بھی اس کی مثالیں ہیں کہ عوام جاگ گئے تو تقدیر بدل گئی۔

سلمان حسین، کراچی

سید قطب (قرآنی تصاویر) جس انداز سے قرآن کو محسوس و مشہود بنا دیتے ہیں' وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ عربی زبان کی نزاکتوں کو اردو میں منتقل کرنے کی مہارت بھی قابل داد ہے۔ اس سلسلے کے مطالعے نے ایک بالکل ہی نئی کیفیت سے گذارا۔

محمد طاہر ہاشمی - چلندرلٹ' آزاد کشمیر

ڈاکٹر محمد افضل' جھنگ

سائنسی اور فنی ترقی کا نظریاتی پہلو (اگست' ستمبر ۱۹۹۶) دونوں قسطیں بہت اشتیاق سے پڑھیں۔ سائنسی ایجادات کے مضر پہلوؤں کے بارے میں شعور عام کرنے کی ضرورت ہے۔

انجینیر بخت کرم جواد - کویت

سائنسی اور فنی ترقی کے حوالے سے پروفیسر عبد القدیر سلیم کا تنقیدی نقطہ نظر بہت پسند آیا۔ یوں سمجھیے خیالات کو زبان مل گئی۔ ایک رستے کی نشان دہی ہوئی۔ اللہ پروفیسر صاحب کو جزائے خیر دے۔ یہ دعا بھی ہے کہ اللہ قوم پاکستان کو ترجمان القرآن کے اثرات سے مستفید ہونے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرمائے۔

محمد جمیل رانا 'قلعہ دیدار سنگھ 'ضلع گوجرانوالہ

یوم آزادی کے حوالے سے اشارات (اگست ۹۶) پڑھ کر آنکھوں کے سامنے قیام پاکستان کے مناظر گذر گئے - میں نے اپنے سکول میں "بندے ماترم" کے جواب میں لب پر آتی ہے بن کے دعا کہلوائی تو میری پٹائی کی گئی 'ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی جو آج بھی درد کرتی ہے - لیکن اس ملک کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے! پروفیسر خورشید صاحب نے حقائق بیان کیسے ہیں اور علاج بھی تجویز کیا ہے -

عبدالرشید ترابی 'مظفرآباد

ترجمان کا معیار ماشاء اللہ بہت بہتر ہوتا ہے - ساری مصروفیات کے باوجود "الف" سے "ی" تک پڑھتا ہوں - مضامین کا تنوع اور گہرائی قابل ذکر ہے - ہم پروگرام بنا رہے ہیں کہ آزاد کشمیر کے اہل دانش تک اسے پہنچائیں -

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی 'علی گڑھ

ترجمان القرآن یہاں کے تحریکی حلقوں میں بہت پسند کیا جاتا ہے - اندازہ ہوتا ہے کہ اسے مرتب کرنے میں بہت محنت کی جاتی ہے -

حافظ محمد امان اللہ حقانی، خوازہ خیلہ سوات

جب رسالہ ملتا ہے دل کو ایک سرور و سکون حاصل ہوتا ہے - ہر رسالہ سابقہ سے بہتر اور معلومات و علوم کا خزینہ ہوتا ہے - تعویذ اور شرک پر واضح بیان (اگست ۹۶) لکھ کر سارا ابہام دور فرما دیا -

عمر بن عبدالعزیز 'نیویارک

یہاں ISNA کے کنونشن میں ترجمان القرآن کا اسٹال لگایا - ۱۴ ہزار افراد نے شرکت کی - اشتہار تقسیم کیے - منشورات کے کتابچے اور رسالے فروخت ہوئے - ترجمان کی ماہانہ سیل اب ۲۰۰ ہو چکی ہے - اسٹال پر آنے والے خرم مراد صاحب کی صحت کا معلوم کرتے رہے اور ان کے لیے دعائیں کرتے رہے -

جمیل احمد انجم 'قصور

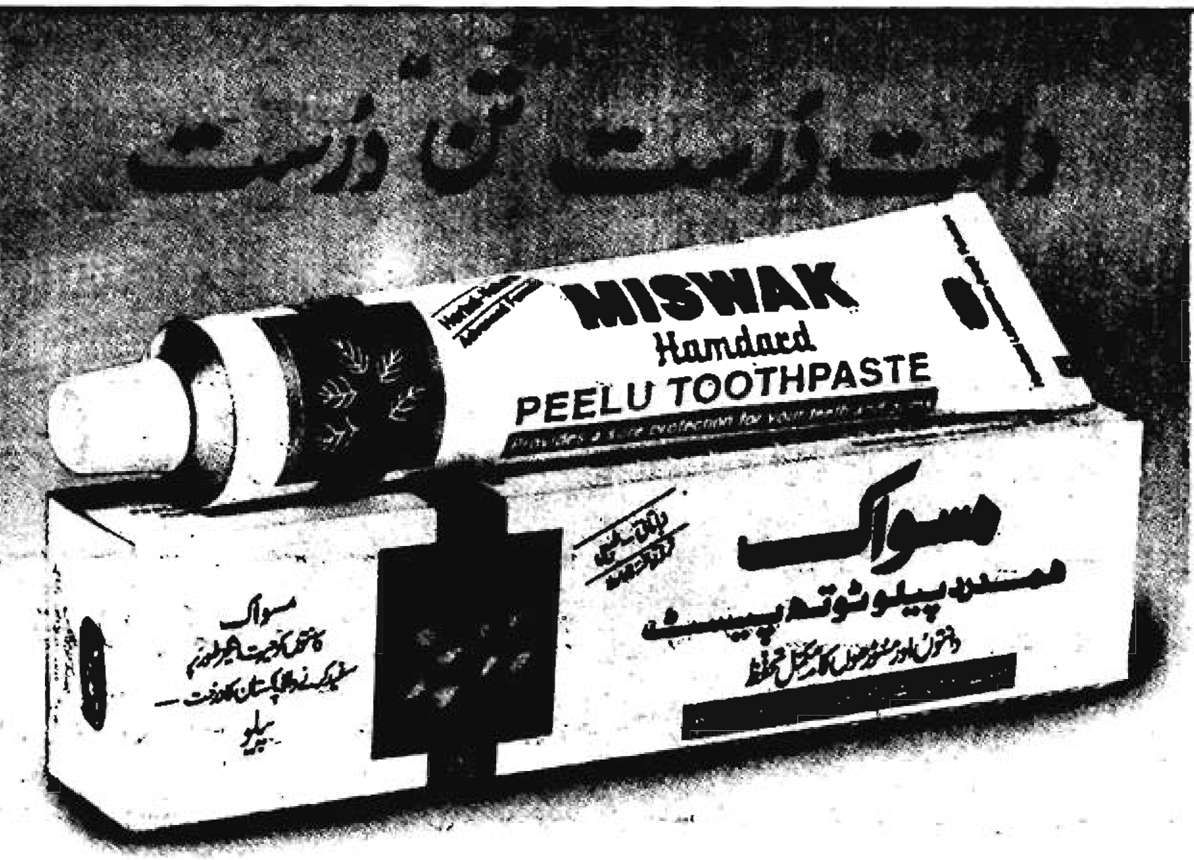
زبان عام پڑھے لکھے فرد کی استطاعت سے بلند ہے - ادبی معیار اپنی جگہ 'لیکن تحریکی نقطہ نظر سے اشاعت بڑھانے میں 'مشکل زبان' بہرحال ایک رکاوٹ ہے -

---

سالانہ خریداروں اور ایجنسی ہولڈروں سے گزارش ہے کہ خط و کتابت میں خریداری / ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں - (مینیجر)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے کے لحاظ سے بدترین شخص وہ ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کردی۔



دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دارو مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دارچینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص / صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعات ہمدرد خریدتے ہیں۔ ہمارے منافع بین الاقوامی شہر علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

REGD. NO. L 5340

PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE